2

قانون کا نفاذ

قانون کا نفاذ

امن وامان کی صورت حال

کسی شخص کو جسے گرفتار کیا گیا ہو، مذکورہ گرفتاری کی وجوہ سے، جس قدر جلد ہو سکے، آگاہ کیے بغیر نہ تو نظر بند رکھا جائے گا اور نہ اسے اپنی پسند کے کسی قانون پیشہ شخص سے مشورہ کرنے اور اس کے ذریعہ صفائی پیش کرنے کے حق سے محروم کیا جائے گا۔

ہر اس شخص کو جسے گرفتار کیا گیا ہو اور نظر بند رکھا گیا ہو، مذکورہ گرفتاری سے چوبیس گھنٹہ کے اندر کسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا لازم ہوگا۔

آئین پاکستان

آرٹیکل 10(1)-اور(2)

انسانی وقار، گھر اور چار دیواری کی حرمت کی، قانون کے مطابق، ہر قیمت پر حفاظت کی جائے گی۔

کوئی شہادت یا ثبوت حاصل کرنے کے لیے کسی شخص کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

آرٹیکل 14(1)اور(2)

ہر شخص کو زندہ رہنے، آزادی اور جان و مال کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور

آرٹیکل 3

کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

آرٹیکل 5

ہر اس شخص کو جس پر کوئی قابل سزا الزام عائد کیا جائے، یہ حق حاصل ہے کہ جب تک قانون کے تحت اس کو ایک کھلی عدالت میں، جہاں اسے اپنے دفاع کی تمام سہولتیں حاصل ہوں، مجرم ثابت نہیں کیا جاتا، اسے بے قصور تصور کیا جائے گا۔

آرٹیکل-11(1)

کسی شخص کی خلوت یا تنہائی، خاندانی زندگی، گھر یا اس کی خط و کتابت میں، من مانے طور پر مداخلت نہیں کی جائے گی۔ نہ ہی اس کے وقار اور اس کی شہرت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔ ہر شخص کو اس قسم کی مداخلت اور کوششوں کے خلاف قانونی تحفظ حاصل ہو گا۔

تشدد

گزشتہ سالوں کی طرح، دہشت گردی سے منسلک اموات میں کمی واقع ہوئی اگرچہ جون اور جولائی کے درمیان 2018ء کے عام انتخابات کے دوران پر تشدد اموات میں اضافہ دیکھا گیا۔

سینٹر فار ریسرچ اینڈ سکیورٹی سٹڈیز (سی آر ایس ایس) کی سالانہ سکیورٹی رپورٹ 2018ء کے مطابق،

2018ء میں ہونے والی 2333 ہلاکتوں میں سے 1131 اموات تھیں۔ یہ تعداد گزشتہ سال کے مقابلے میں 45 فیصد کم تھی۔ 2017ء کے دوران 2047 اموات واقع ہوئی تھیں۔ بلوچستان میں سب سے زیادہ 407 اموات ہوئیں جبکہ فاٹا میں 208 اور سندھ میں 192 اموات واقع ہوئیں۔ سب سے زیادہ کمی پنجاب میں دیکھی گئی جہاں اموات تقریباً 69 فیصد (469 سے 146) کم ہوگئیں جبکہ سندھ میں 57.8 فیصد اور سابقہ فاٹا میں 52.3 فیصد کمی واقع ہوئی۔ کل ہلاکتوں (598) میں عام شہریوں کا تناسب 53 فیصد رہا۔ ہلاک ہونے والے دیگر افراد میں 243 سکیورٹی اہلکار اور 289 دہشت گرد شامل تھے۔

دہشت گردوں کی جانب سے کیے گئے خودکش حملے تشدد کی اہم ترین قسم اور ہلاکتوں کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ پاکستان انسٹی ٹیوٹ فار کانفلیکٹ اینڈ سکیورٹی سٹڈیز (پکس) کا کہنا ہے کہ 2018 میں کل اموات میں سے 46 فیصد اور کل زخمیوں میں سے 48 فیصد کا سبب خودکش حملے تھے، اور فی حملہ اموات کا تناسب 13 سے بڑھ کر 15 ہوگیا۔ 2017 کے دوران خودکش حملوں میں ہلاکتوں کا تناسب 33 فیصد تھا۔

عام انتخابات کے دوران تشدد کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ پکس کا کہنا ہے کہ مجموعی اموات میں سے 40 فیصد جولائی کے مہینے میں واقع ہوئیں۔ عوامی اجتماعات کے دوران ایک وزیر سمیت متعدد امیدواروں کو نشانہ بنایا گیا۔ صرف جولائی میں پانچ حملے ہوئے۔ 7 جولائی کو بنوں میں متحدہ مجلس عمل (ایم ایم اے) کے امیدوار شیریں ملک کے قافلے پر حملے کے نتیجے میں شیریں ملک سمیت چھ افراد زخمی ہوئے۔ 10 جولائی کو پشاور میں ہونے والے دوسرے جان لیوا حملے میں عوامی نیشنل پارٹی (اے این پی) کے رہنما ہارون بلور جاں بحق اور دیگر 21 افراد زخمی ہوئے۔ 13 جولائی کو جمعیت علمائے اسلام کے رہنما اکرم درانی کے قافلے پر اس وقت حملہ کیا گیا جب وہ بنوں میں ایک ریلی میں شرکت کے بعد واپس آرہے تھے۔ اکرم درانی حملے میں محفوظ رہے لیکن دیگر چار افراد جاں بحق ہوگئے۔ اس کے چند گھنٹوں بعد مستونگ میں ہونے والی ایک ریلی میں بلوچستان عوامی پارٹی (بی این پی) کے امیدوار برائے صوبائی اسمبلی نواب زادہ سراج رئیسانی کو نشانہ بنایا گیا۔ واقعے میں سراج رئیسانی سمیت 131 افراد جاں بحق ہوئے۔

ڈیرہ اسماعیل خان میں پاکستان کے تحریک انصاف کے امیدوار اکرام اللہ گنڈاپور بھی جاں بحق ہوئے۔ کوئٹہ میں انتخابات کے دن ایک پولنگ اسٹیشن کے باہر ہونے والے حملے میں 31 افراد ہلاک ہوئے۔

پولیس تشدد

سال کے دوران مرکزی میڈیا اور سیاسی تحریکوں نیز سول سوسائٹی میں ماورائے عدالت ہلاکتوں، جعلی پولیس مقابلوں، اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی سفاکیت کے بارے میں بڑے پیمانے پر بحث جاری رہی۔ سال کے شروع میں نقیب اللہ محسود سمیت چار افراد کے ماورائے عدالت قتل کے بعد پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) نے ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے کیے۔ بعدازاں ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی گئی جس نے پولیس اہلکاروں کو قصوروار ٹھہرایا، تاہم مرکزی ملزم راؤ انوار 2018 کے آخر تک ضمانت پر تھا۔

پورا سال ملک بھر سے پولیس مقابلوں کی اطلاعات موصول ہوتی رہیں

جنوری میں کراچی میں ایک اور نوجوان مقصود مبینہ طور پر پولیس اور مجرموں کے گینگ کے درمیان ہونے والی فائرنگ کی زد میں آ کر جاں بحق ہو گیا۔ بعد ازاں سی سی ٹی وی کی فوٹیج میں یہ بات سامنے آئی کہ یہ ایک اور جعلی پولیس مقابلہ تھا اور اسے پولیس نے نشانہ بنایا تھا۔

'پولیس مقابلہ' ماورائے عدالت ہلاکتوں کا متبادل بن چکا ہے جہاں پولیس اور دیگر سکیورٹی فورسز کے ساتھ تصادم کے دوران شہریوں کی ہلاکتوں کو شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ سال کے دوران ملک بھر سے ایسے واقعات کی اطلاعات مسلسل موصول ہوتی رہیں اور ان کی شاذ و نادر ہی تحقیقات کی گئیں۔ شفاف اور معتبر پولیس رپورٹس کی کمی نے اس تصور کو تقویت دی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے سزا سے استثنا کے ساتھ کارروائیاں کر سکتے ہیں۔ ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے کہ انہیں ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہو۔

مئی میں ضلع قصور میں جعلی پولیس مقابلے میں ایک نوجوان کو ہلاک کرنے پر 11 پولیس اہلکاروں کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا اور ایسا صرف اس لیے ممکن ہوا کہ مقتول کی والدہ نے مستقل مزاجی سے مقدمے کی پیروی جاری رکھی۔ ایک اور واقعے میں، لاڑکانہ میں ہونے والی ایک محکمانہ تحقیقات میں یہ بات سامنے آئی کہ بکرانی پولیس کا 21 مئی کو پولیس مقابلے میں ایک 'اشتہاری ڈاکو' کو ہلاک کرنے کا دعویٰ جھوٹا تھا۔ متعلقہ ایس ایچ او کے علاوہ دیگر پانچ افراد کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا۔

2017ء میں قصور میں ایمان فاطمہ نامی بچی کو جنسی زیادتی کے بعد قتل کر دیا گیا تھا اور پولیس نے اسی روز ایک شخص کو گرفتار کرنے کے بعد ہلاک کر دیا تھا۔ جب 2018ء میں عمران علی کو زینب قتل کیس میں سزا سنائی گئی تو ڈی این اے شواہد میں یہ بات سامنے آئی کہ وہ 2017ء کے واقعے میں بھی ملوث تھا۔ میڈیا نے اس حقیقت کی نشاندہی کی کہ پولیس نے کئی ماہ پہلے ایک بے گناہ شخص کو گولی مار کر قتل کر دیا تھا۔ ایک جے آئی ٹی تشکیل دی گئی جس نے پولیس کو

قصوروار ٹھہرایا۔

اکتوبر میں ایک پولیس ٹیم کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کیا گیا جس نے تقریباً تین ماہ پہلے کراچی میں مبینہ پولیس مقابلے میں ایک نوجوان کو ہلاک کر دیا تھا۔

اکثر اوقات بے گناہ لوگ پولیس اور مجرموں کے درمیان اندھا دھند فائرنگ کی زد میں آجاتے ہیں۔ اگست میں، کراچی میں ایک اور پولیس مقابلے کے دوران ایک دس سالہ بچی امل کی المناک موت نے پورے ملک کو دہلا کر رکھ دیا۔

سی آر ایس ایس کے سکیورٹی آپریشنوں کے دوران ہلاکتوں سے متعلق اعداد و شمار کے مطابق، 162 اموات کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ مقابلوں یا مبینہ پولیس مقابلوں سے منسوب کیا گیا۔ بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن (بی ایچ آر او) کی 2018ء کی فہرست میں، ماورائے عدالت ہلاکتوں کے 264 واقعات میں سے 23 کو پولیس مقابلوں اور 24 کو زیرحراست ہلاکتوں سے منسوب کیا گیا۔ بی ایچ آر او نے صوبے میں جبری گمشدگیوں کی اپنی فہرست میں لاپتا افراد کے 832 واقعات بھی ریکارڈ کیے۔

سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں جبری گمشدگیوں کی متعدد اطلاعات سامنے آئیں اور انسانی حقوق کے دفاع کار اور کارکن اس کا سب سے زیادہ نشانہ بنے۔ ('جبری گمشدگیاں' بھی ملاحظہ کریں۔)

پولیس جرائم/فرائض میں غفلت

پولیس کی جوابدہی کے حوالے سے بڑھتے ہوئے خدشات کے پیش نظر، سندھ حکومت نے اگست میں پولیس کی اندرونی جوابدہی کی شاخ قائم کی جو انسپکٹر جنرل پولیس کو جوابدہ تھی اور اسے پولیس اہلکاروں کے خلاف 'بدعنوانی، طاقت کے ناجائز استعمال اور دیگر شکایات کی ایک شفاف طریقے سے تحقیقات کرنے' کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

پنجاب پولیس کی جانب سے احتساب کے حوالے سے کیے گئے اقدامات پنجاب پولیس کارکردگی اور نظم و ضبط ضوابط 1975ء اور پنجاب سول سرونٹس (ای اینڈ ڈی) رولز 1999ء کے تحت عہدے کی بنیاد پر کیے گئے۔ پنجاب پولیس نے 2018ء کے اعداد و شمار جاری نہیں کیے۔ تاہم 2017ء میں، 270 اے ایس پی/ڈی ایس پیز، 64458 کانسٹیبلز، 1792 انسپکٹروں، 10077 سب انسپکٹروں، 12,151 اسسٹنٹ سب انسپکٹروں، اور 3,773 ہیڈ کانسٹیبلز کو سزائیں دی گئیں۔ 2017ء میں مجموعی طور پر 2,434 پولیس افسران کو برطرف کیا گیا۔ ان میں سے ایک کو تشدد، دو کو غیر قانونی حراست، اور 167 کو بدعنوانی کی بناء پر برطرف کیا گیا۔ مجموعی طور پر، تشدد کے 15 واقعات میں تعزیری کارروائی کی گئی۔ انضباطی کارروائی اعلیٰ عہدوں کے مقابلے میں نچلے درجے کے عہدوں میں زیادہ عام تھی۔

مئی میں، جسٹس پراجیکٹ پاکستان (جے پی پی) کی جانب سے درج کرائی گئی ایک شکایت کے جواب میں قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) نے صرف فیصل آباد میں پیش آنے والے تشدد کے 1,500

واقعات کی باضابطہ تحقیقات شروع کیں۔ جے پی پی نے ژیل لاء اسکول کے تعاون سے 'پولیسنگ ایز ٹارچر: فیصل آباد میں پولیس کی جانب سے منظم سفاکیت اور ایذا رسانی' نامی رپورٹ پیش کی جس میں 2006 سے 2012 کے عرصے کے دوران 1,424 واقعات میں پولیس کی جانب سے ناروا سلوک کے واضح اشارے ملے۔ اعداد و شمار کے مطابق، متاثرین میں 58 بچے اور 134 سے زائد خواتین شامل تھیں۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ 143 متاثرین کو معلق رکھا گیا، 464 کو دیگر ملزمان کو تشدد کا نشانہ بنتے ہوئے دیکھنے پر مجبور کیا گیا، 15 کو نیند سے محروم رکھا گیا، 11 کو شدید گرمی یا سردی میں رکھا گیا، اور 114 کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ رپورٹ میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ 61 فیصد خواتین کو جنسی زیادتی اور 81 فیصد کو ثقافتی اعتبار سے غیر مناسب سرگرمیوں کا نشانہ بنایا گیا۔

این سی ایچ آر نے شہریوں کو تشدد کا نشانہ بنانے پر اگست میں تین ایس ایچ اوز سمیت 13 پولیس اہلکاروں کو طلب کیا۔ اس اقدام کے باوجود ستمبر میں ایک پھل فروش کو اٹھا لیا گیا، اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی گئی، اسے نامعلوم مقام پر وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا، اور مبینہ طور پر یہ اعتراف کرایا گیا کہ اس نے چوری کی تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ ایذا رسانی کی سرگرمی اب بھی پولیس کی تحقیقات کا حصہ تھی۔

جون میں ایذا رسانی کے متاثرین کی حمایت کے عالمی دن کے موقع پر این سی ایچ آر نے کہا کہ اسے گزشتہ سال 100 شکایات موصول ہوئی تھیں۔ اس نے مزید کہا کہ کمیشن نے 58 واقعات کا از خود نوٹس بھی لیا تھا۔ ان میں سے 34 واقعات کا تعلق خواتین متاثرین سے تھا۔ کمیشن کے مطابق پاکستان میں کوائف، مناسب نگرانی اور تلافی کے نظام ہائے کار نیز تشدد کے خلاف جامع قومی قانون سازی کا فقدان ہے۔ اطلاعات کے مطابق تھانوں میں ایذا رسانی کی ممانعت اور روک تھام کے لیے انسانی حقوق کے افسران مقرر کیے گئے تھے، اور اسلام آباد پولیس کے 25 افسران کو ایذا رسانی میں ملوث ہونے کی بناء پر برطرف کیا گیا تھا۔

سال کے دوران پولیس کی جانب سے بلیک میلنگ، بھتے، ایذا رسانی اور چھاپوں کے دوران ہراسانی، زیر حراست اموات، ایف آئی کے اندراج سے انکار اور بدعنوانی کی متعدد اطلاعات موصول ہوئیں۔

2018ء میں سندھ میں پولیس کی بدعنوانی کے کئی واقعات منظر عام پر آئے اور سندھ حکومت نے اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے پولیسنگ برانچ کے کام میں مداخلت کی۔ اگست میں احتساب کی ایک عدالت نے پانچ کروڑ روپے کے غبن سے متعلق ایک ریفرنس میں پولیس کے سینئر سپرنٹنڈنٹ کو 10 سال قید کی سزا سنائی۔ ستمبر میں سندھ حکومت نے کرپشن اور غیر قانونی تقرریوں کے الزامات پر 18 اعلیٰ پولیس افسران کے خلاف تحقیقات کی درخواست کی۔

حکومت نے پولیس ایکٹ 2018ء تجویز کیا جس میں انسپکٹر جنرل کے اختیارات کم کر دیے گئے تھے اور سندھ حکومت کے سندھ پولیس کے انتظامی اور مالی امور کے انتظام و انصرام، منصوبہ بندی، جائزے، اور نگرانی کے اختیارات میں توسیع کی گئی تھی۔ سال کے آخر تک یہ بل منظور نہیں ہو سکا تھا اور پولیس حکام اور سول سوسائٹی دونوں نے

اس کے سندھ پولیس کی آزادی پر پڑنے والے اثرات پر تشویش کا اظہار کیا۔

خیبر پختونخوا میں پی ٹی آئی حکومت کی پانچ سالہ مدت ختم ہونے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ وہ پولیس کی جوابدہی کو یقینی بنانے کے لیے ایک پبلک سیفٹی کمیشن اور صوبے کے زیادہ تر اضلاع میں علاقائی مرکز شکایات قائم کرنے میں ناکام رہی تھی۔ دوسری جانب یہ اطلاع سامنے آئی کہ کے پی پولیس ایکٹ 2017ء کی منظوری کے بعد محکمے کے اندر احتساب کے نتیجے میں تقریباً 800 پولیس اہلکار برطرف ہوئے اور 6,000 سے زائد اہلکاروں کو سزائیں ہوئیں۔

پنجاب کے محکمہ داخلہ نے ستمبر میں وزیر اعلیٰ کو ایک سمری بھیجی جس میں ان سے کہا گیا کہ وہ اس بات کی اجازت دیں کہ کابینہ سے پولیس اصلاحات اور عمل درآمد سے متعلق کمیشن کے قیام کی منظوری کی درخواست کی جائے۔ اکتوبر میں پولیس اصلاحات کے چیف ناصر درانی مستعفی ہو گئے جسے صوبے میں پولیس اصلاحات کے نفاذ کے حوالے سے ایک دھچکا تصور کیا گیا۔

جرائم

پنجاب میں جنوری سے دسمبر 2018ء کے دوران جرائم کے واقعات میں 2017ء کے مقابلے میں معمولی سا اضافہ دیکھا گیا۔ 2017ء میں جرائم کے 405,895 پیش آئے تھے جو 2018ء بڑھ کر 409,030 ہو گئے۔ ان میں سے 50,483 واقعات افراد کے خلاف جرائم سے متعلق تھے جبکہ باقی ماندہ واقعات کا تعلق جائیداد سے متعلق جرائم (87,770)، مقامی اور خصوصی قوانین (136,884) اور متفرق جرائم (133,893) سے تھا۔ پنجاب پولیس کی جانب سے فراہم کئے گئے اعداد و شمار کے مطابق درج کرائے گئے کل مقدمات میں سے 25,513 (6.2 فیصد) کا سراغ نہ لگایا جا سکا، 39,993 (19.7 فیصد) کی تحقیقات جاری تھیں اور 317,292 (77.5 فیصد) کا چالان پیش کیا گیا تھا۔

پنجاب میں افراد کے خلاف رپورٹ ہونے والے جرائم کے ایک بڑے حصے کا تعلق جسمانی نقصان سے تھا۔ اعداد و شمار کے مطابق قتل کے 4,146، اقدام قتل کے 4,980 اور زخمی ہونے کے 15,191 واقعات پیش آئے؛ ان واقعات کی ایک بڑی تعداد کا تعلق جنسی زیادتی (3,300 اور جنسی زیادتی کی کوشش (196) سے تھا۔

سندھ پولیس کی جانب سے جمع کرائی گئی رپورٹ کے مطابق 2018ء میں جائیداد سے متعلقہ جرائم کے 14,115 اور افراد کے خلاف جرائم کے 13,271 واقعات پیش آئے۔ دہشت گردی کے چار جبکہ ٹارگٹ کلنگ کے نو، قتل کے 1,298، بینک ڈکیتی کے تین، اور اغواء برائے تاوان کے 38 واقعات پیش آئے۔ سٹریٹ کرائم سندھ حکومت کے لیے امن و امان کے حوالے سے ایک چیلنج بنا رہا؛ موبائل چھیننے کے واقعات میں اضافہ ہوا۔ 2017ء میں ان واقعات کی تعداد 14,321 رہی تھی جو 2018ء میں پانچ فیصد اضافے کے ساتھ 15,038 ہو گئی۔

بلوچستان حکومت کی سرکاری ویب سائٹ کہتی ہے کہ 2018ء میں رپورٹ ہونے والے جرائم کی تعداد 2017ء کے مقابلے میں کم رہی۔ 2017ء میں یہ تعداد 9,479 تھی جو 2018ء میں کم ہوکر 8,763 رہ گئی۔ دوسری جانب ٹارگٹ کلنگ میں اضافہ ہوا۔ 2017ء میں ٹارگٹ کلنگ کے 29 واقعات پیش آئے تھے جبکہ 2018ء میں ان واقعات کی تعداد 34 رہی۔

سندھ اور پنجاب کے برعکس خیبر پختونخوا کے محکمہ پولیس کی ویب سائٹ نے رپورٹ ہونے والے جرائم سے متعلق تازہ ترین اعداد و شمار فراہم نہیں کیے۔

دارالحکومت اسلام آباد کے علاقوں میں جرائم میں نمایاں اضافہ دیکھا گیا اور بہت سے واقعات میں جرائم کی تعداد دوگنا ہوگئی۔ شہر میں سیف سٹی پراجیکٹ کے نفاذ کے باوجود موٹر سائیکل چوری کے واقعات کی تعداد جو 2017ء میں 177 تھی 2018ء میں بڑھ کر 426 ہوگئی۔ علاوہ ازیں، چوری اور کار چوری کے 2,207 واقعات پیش آئے۔ 2017ء میں کار چوری کے 138 جبکہ 2018ء میں 225 واقعات پیش آئے۔ اس کے علاوہ پرتشدد جرائم کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ 2017ء میں قتل کے 85 اور اقدام قتل کے 142 واقعات پیش آئے تھے جبکہ اس کے مقابلے میں 2018ء میں ان واقعات کی تعداد بالترتیب 106 اور 147 رہی۔

ایچ آر سی پی کا ایک اپنا ڈیٹا بیس ہے جو میڈیا کی رپورٹس اور علاقائی نمائندوں اور افراد کی معلومات پر انحصار کرتا ہے۔ چنانچہ یہ اعداد و شمار جرائم یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی اصل تعداد کی عکاسی نہیں کرتے۔ اصل اعداد و شمار اس سے کہیں زیادہ ہوسکتے ہیں جس کی خاص طور پر وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر جرائم رپورٹ نہیں ہوتے اور جرم کے محرکات اکثر واضح نہیں ہوتے۔

جنوری تا دسمبر 2018

	کل		پنجاب	سندھ	کے پی/ فاٹا	بلوچستان
جرم	واقعات	متاثرین	متاثرین	متاثرین	متاثرین	متاثرین
توہین مذہب	18	18	16	1	1	0
پولیس مقابلے	124	183	79	79	18	7
پولیس کی زیادتیاں	98	150	143	6	1	0
سزائے موت	194	346	295	32	17	2
پھانسیاں	14	14	10	0	4	0
جیلوں میں تشدد	36	38	30	4	0	3
فرقہ واریت	13	117	0	3	96	18

غیرت کے نام پر جرائم (مرد/خواتین)	316	374 (254خواتین، 120مرد)	199 (153خواتین، 46مرد)	118 (71خواتین، 47مرد)	72 (43خواتین، 29مرد)	*30 (16خواتین، 14مرد)
خواتین کے خلاف جنسی تشدد	845	856	820	18	17	1
تیزاب حملے	67	67	58	4	2	3
خواتین کا اغواء	583	620	587	10	23	0
خواتین کے خلاف گھریلو تشدد	129	135	117	10	6	1
جلائے جانے کے واقعات	77	77	66	8	3	0
خودکشی	1338	1338 (786مرد، 552خواتین)	967 (565مرد، 402خواتین	166 (103مرد، 63خواتین)	186 (111مرد، 75خواتین)	19 (11مرد، 8خواتین)
اقدام خودکشی	516	516 (723مرد، 243خواتین)	411 (216مرد، 195خواتین)	81 (46مرد، 35خواتین)	22 (12مرد، 10خواتین)	2(مرد)
بچوں کے خلاف جسمانی سزا	70	86	74	3	9	0

ایچ آر سی پی کی جانب سے مرتب کیے گئے اعداد و شمار

(*عورت فاؤنڈیشن کے اعداد و شمار کے مطابق بلوچستان میں 'غیرت' کے نام پر جرائم کے 50 واقعات پیش آئے۔)

خواتین کے خلاف تشدد

2018ء میں پاکستانی خواتین کی صورتحال میں کوئی خاص بہتری نہیں آئی۔ پاکستان صنف سے متعلق گوشواروں میں آخری نمبروں پر رہا۔ عالمی معاشی فورم کی صنفی تفاوت کے عالمی گوشوارے کی رپورٹ برائے 2018ء میں پاکستان 149 ممالک میں سے 148 ویں نمبر کے ساتھ دوسرا بدترین ملک تھا۔ اگرچہ اس گوشوارے میں خواتین کی سیاسی، سماجی اور معاشی شرکت کا اندازہ لگایا جاتا ہے تاہم تشدد کا معاملہ خواتین کی زندگیوں کے روزمرہ تجربے کا حصہ ہے۔ تھامسن رویٹرز فاؤنڈیشن (ٹی آر ایف) کی ایک رپورٹ نے پاکستان کو خواتین کے لیے چھٹا خطرناک ترین ملک قرار دیا۔

2018ء میں مرکزی میڈیا میں فوجداری نظام انصاف تک رسائی، خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات اور عدالتی نظام کی تحفظ فراہم کرنے میں ناکامی کی نشاندہی کی گئی۔ خدیجہ صدیقی جسے اس کے ہم جماعت نے خنجر کے 23 وار کر کے شدید زخمی کر دیا تھا، کے مقدمے کو میڈیا میں نمایاں کوریج دی گئی اور لاہور ہائی کورٹ کے ملزم کو رہا کرنے

عورت مارچ 2018 کے شرکا نے عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمے کا مطالبہ کیا

کے فیصلے کو وسیع پیمانے پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

عورت فاؤنڈیشن کی جانب سے پنجاب میں ستمبر 2017ء سے ستمبر 2018ء تک جمع کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق، صوبے میں خواتین کے ساتھ اجتماعی جنسی زیادتی کے 151 واقعات پیش آئے۔ ادارے کے اندازے کے مطابق پنجاب میں ہر سال 10,000 سے زائد خواتین تشدد کا نشانہ بنتی ہیں اور 1,000 سے زائد اپنے حقوق نہ ملنے، شدید غربت، جسمانی اور جنسی زیادتی کی وجہ سے خودکشی یا اقدام خودکشی کر لیتی ہیں۔ اگرچہ عورت فاؤنڈیشن نے پنجاب میں 'غیرت' کے نام پر قتل کے اعداد و شمار فراہم نہیں کیے تاہم ایچ آر سی پی کی جانب سے جمع کیے گئے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ 2018ء کے آخر تک کم از کم 199 افراد کو 'غیرت' کے نام پر قتل کیا گیا جن میں 153 خواتین شامل تھیں۔

پنجاب کمیشن برائے حقوق نسواں (پی سی ایس ڈبلیو) کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ 2018ء میں 3,860 خواتین نے گھریلو تشدد کے حوالے سے مدد کی درخواست کی، اور پنجاب میں جنسی ہراسانی کے 5,320 واقعات پیش آئے۔ کمیشن کی 'صنفی تفاوت رپورٹ 2018ء' کے مطابق 2017ء میں خواتین کے خلاف تشدد میں 21.5 فیصد اضافہ ہوا اور پنجاب میں 8,852 مقدمات درج کیے گئے۔ ملتان میں حال ہی میں کھولے گئے خواتین

کے خلاف تشدد سے متعلق مرکز نے مارچ 2017ء سے اپریل 2018ء کے دوران خواتین کے خلاف تشدد کے 1,545 واقعات ریکارڈ کیے۔ ان میں گھریلو تشدد کے 918، خاندانی مسائل کے 165، ہراسانی کے 99، اور جائیداد کے جھگڑوں کے 89 واقعات شامل تھے۔

سندھ میں، سندھ ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے پیش کی گئی رپورٹ میں یہ بات سامنے آئی کہ جولائی 2017ء سے اپریل 2018ء کے دوران خواتین کی جانب سے 'غیرت' کے نام پر قتل کے 13 مقدمات سمیت تشدد کے 1,643 مقدمات درج کرائے گئے۔

خیبر پختونخوا میں، نورا ایجوکیشن ٹرسٹ کی جانب سے پشاور میں منعقد کی گئی ورکشاپ سے متعلق ایک نیوز رپورٹ کے مطابق، جنوری سے جون 2018ء کے دوران صنف پر مبنی تشدد کے 202 واقعات رپورٹ ہوئے۔ ان میں خواتین کے قتل کے 97، 'غیرت' کے نام پر قتل (ایچ آر سی پی کے اعداد و شمار دیکھیں) کے 24، جنسی زیادتی کے 72 اور گھریلو تشدد کے 6 واقعات شامل تھے۔

خیبر پختونخوا کی صوبائی کابینہ نے خیبر پختونخوا خواتین کے خلاف گھریلو تشدد کا بل 2018ء منظور کیا۔ تاہم مجوزہ بل کو اس بناء پر تنقید کا سامنا رہا کہ اس کا دائرہ کار محدود تھا اور یہ خاندان کے دیگر غیر محفوظ گروہوں کے برعکس صرف خواتین کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

عورت فاؤنڈیشن نے اپنی نومبر 2018ء میں شائع ہونے والی رپورٹ میں کہا کہ جنوری سے نومبر 2018ء تک 30 خواتین سمیت تقریباً 50 افراد کو 'غیرت' کے نام پر قتل کیا گیا۔ یہ اعداد و شمار صوبے بھر کے تھانوں میں رپورٹ ہونے والے جرائم کے مقدمات پر مبنی ہیں۔ سب سے زیادہ واقعات نصیر آباد ڈویژن میں پیش آئے۔ تشدد کے دیگر رپورٹ ہونے والے واقعات میں 17 خواتین نے گھریلو تنازعات کی بناء پر خودکشی کی، اور 21 خواتین ایذا رسانی کا نشانہ بنیں۔ خواتین کے اغواء کے 14، جنسی ہراسانی کے 14 اور تیزاب حملوں کے چار واقعات سامنے آئے۔

بچوں کے خلاف تشدد

جنوری 2018ء کے شروع میں زینب کے واقعے کے بعد بچوں کے ساتھ زیادتی اور مظالم کا مسئلہ ملک بھر میں موضوع بحث بنا رہا۔ سات سالہ زینب کو قصور میں جنسی زیادتی کے بعد قتل کر دیا گیا۔ یہ بچوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات کی محض ایک چھوٹی سی جھلک تھی کیونکہ زینب کا قتل 12 ماہ کے دوران شہر میں 10 کلومیٹر کی حدود میں پیش آنے والا ایسا بارہواں واقعہ تھا۔

ساحل نامی این جی او کی جانب سے سال کے وسط میں جاری کردہ رپورٹ 'ظالمانہ اعداد و شمار' کے مطابق، 2017ء کے پہلے چھ ماہ کے مقابلے میں اس سال اسی عرصہ کے دوران بچوں کے خلاف جنسی زیادتی کے واقعات بڑھ گئے۔ پہلے چھ ماہ کے دوران 2,322 واقعات رپورٹ ہوئے جبکہ 2017ء کے پہلے چھ ماہ کے دوران 1,764 واقعات پیش آئے تھے۔ رپورٹ سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ 2017ء کے بعد لڑکوں کے ساتھ زیادتی میں

ایک پریشان کن رپورٹ کے مطابق 0 سے 5 برس کی عمر کے بچوں پر جنسی تشدد میں 75 فیصد اضافہ ہوا ہے

47 فیصد تک اضافہ ہوا۔ رپورٹ کی ایک اور پریشان کن حقیقت یہ تھی کہ صفر سے پانچ سال تک کی عمر کے بچوں کے خلاف جنسی زیادتی میں 75 فیصد اضافہ ہوا۔ اس گروپ میں، 2017ء کے پہلے چھ ماہ کے دوران 79 واقعات ریکارڈ کیے گئے جبکہ 2018ء میں اسی عرصہ کے دوران یہ تعداد 321 تک پہنچ گئی۔

رپورٹ میں اخباری مضامین کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا کہ 2018ء کے پہلے چھ ماہ کے دوران جرائم کی اہم اقسام میں اغواء (542)، لڑکوں کے ساتھ جنسی زیادتی (381)، ریپ (360)، لاپتا بچے (236)، جنسی زیادتی کی کوشش (224)، لڑکوں کے ساتھ اجتماعی زیادتی (167)، لڑکوں کے ساتھ زیادتی کی کوشش (112)، اجتماعی جنسی زیادتی (92)، اور کم عمری کی شادی (53) شامل تھیں۔

صوبائی اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ 65 فیصد واقعات کا تعلق پنجاب، 25 فیصد کا سندھ، 3 فیصد کا اسلام آباد، 3 فیصد کا خیبر پختونخوا، اور 2 فیصد کا بلوچستان سے تھا۔ آزاد جموں کشمیر میں 21 اور گلگت۔ بلتستان میں دو واقعات رپورٹ ہوئے۔ رپورٹ ہونے والے کل واقعات میں سے 74 فیصد کا تعلق دیہی علاقوں اور 26 فیصد کا شہری علاقوں سے تھا۔

ایک ٹی وی چینل کی جانب سے فراہم کیے گئے (9 جنوری 2019) اور سرکاری محکموں سے جمع کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق، 2018ء میں پنجاب میں 1,214 بچوں کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ متاثرہ لڑکیوں کی تعداد 400 تھی جبکہ لڑکوں کی تعداد اس سے تقریباً دوگنا زیادہ 789 تھی۔ نومبر 2018ء کی ایک اور نیوز رپورٹ کے مطابق ستمبر تک پولیس کو دس سال سے کم عمر بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے 1,109 واقعات کی اطلاع دی گئی۔

بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے مقدمات میں سزا کی شرح بہت کم رہی۔ وزارت داخلہ نے اگست 2018ء میں سینیٹ کو بتایا کہ جنوری 2014ء سے جون 2018ء تک وفاقی دارالحکومت میں بچوں کے ساتھ زیادتی کے کل 79 مقدمات درج ہوئے لیکن اس عرصے کے دوران صرف چار مجرموں کو سزا ہوئی۔ ساحل کی رپورٹ کے اعداد و شمار بھی ظاہر کرتے ہیں کہ پولیس کو 89 فیصد واقعات کے مقدمات درج کرائے گئے۔ پولیس نے 32 واقعات کی ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کیا، 17 واقعات کے مقدمات درج نہیں کرائے گئے، اور 196 واقعات کے مقدمات درج ہونے یا نہ ہونے کا اخبارات میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

قومی اسمبلی نے بچوں کے تحفظ اور جنسی زیادتی سے متعلق مسائل کے حل کے لیے 'دارالحکومت اسلام آباد بچوں کے تحفظ کا ایکٹ' منظور کیا۔ علاوہ ازیں، بچوں کے نظام انصاف آرڈیننس 2000ء میں ترمیم کرتے ہوئے نوعمر بچوں کے نظام انصاف ایکٹ 2018ء کی بھی منظوری دی گئی جس کا مقصد بچوں کو فوجداری نظام انصاف میں درپیش مشکلات کا ازالہ کرنا تھا۔

خواجہ سراء برادری کے خلاف تشدد

قانون سازی سے متعلق کئی پیش رفتوں اور اقدامات کے باوجود خواجہ سراء برادری کے خلاف تشدد جاری رہا۔

جنوری میں، پشاور میں ایک 18 سالہ خواجہ سراء کو نو افراد نے اغواء کے بعد اجتماعی جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا۔ جب متاثرہ خواجہ سراء نے پولیس کو شکایت درج کرائی تو انہوں نے ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کر دیا۔ متاثرہ شخص کا ماننا تھا کہ اسے دو دیگر خواجہ سراؤں پر حملوں کے خلاف احتجاج میں حصہ لینے پر نشانہ بنایا گیا تھا۔ اسی ماہ، خواجہ سراء برادری کے اراکین صوابی کی یار حسین تحصیل میں ایک تقریب میں شرکت کے بعد واپس آ رہے تھے جب حملہ آوروں نے انہیں جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ مزاحمت پر حملہ آوروں نے فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں زندہ بچ جانے والے تین میں سے دو خواجہ سراء شدید زخمی ہو گئے۔

مارچ میں ایک خواجہ سراء اور اس کے دوست کو موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ اپریل میں، صوابی کے علاقے کالو خان میں مسلح افراد نے ایک خواجہ سراء کی رہائش گاہ پر حملہ کر دیا۔ مسلح افراد نے اسے تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔

مئی میں مانسہرہ کے علاقے کوٹکے میں خواجہ سراء برادری کے ایک اور فرد کو لین دین کے تنازعے پر قتل کر دیا گیا۔ نیوز رپورٹس سے معلوم ہوا کہ متاثرہ فرد کو ایک ہزار روپے کا چیک فراہم نہ کرنے پر گولی مار کر قتل کیا گیا۔

جون میں کراچی میں دو خواجہ سراء افراد کو تشدد کا نشانہ بنائے جانے کی اطلاعات سامنے آئیں جس کے بعد پولیس نے درجن کے قریب افراد کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔ بتایا گیا ہے کہ ان میں سے ایک خواجہ سراء فرد آدھی رات کو کھانا کھانے کے لیے ایک مقامی ریستوران میں گیا تھا جہاں اسے چند لوگوں نے ہراساں کیا۔

جولائی میں ہری پور میں دو افراد ایک جواں سال خواجہ سراء کے گھر میں داخل ہو گئے اور اسے اغواء

پاکستان میں خواجہ سراء برادری مظالم کا شکار ہے باوجود اس کے کہ اُن کے تحفظ کے لیے قانون سازی بھی ہوئی ہے

کرنے کی کوشش کی۔ مزاحمت پر اسے گولی ماردی گئی اور جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔

اگست میں، پشاور میں پولیس نے دو افراد کو ایک خواجہ سراء کے جسمانی اعضاء سے بھرا بیگ لے جاتے گرفتار کرلیا۔ مانسہرہ میں پیش آنے والے ایک اور واقعے میں ایک شخص اور اس کے رشتے داروں نے ایک خواجہ سراء کی رہائش گاہ میں داخل ہوکر اس پر حملہ کردیا۔

ستمبر میں، ساہیوال کے ایک ٹیکسی اسٹینڈ میں نامعلوم افراد نے ایک خواجہ سراء کو زندہ جلادیا۔

اکتوبر میں، پشاور میں خواجہ سراء برادری نے خواجہ سراء برادری کے افراد کو ناروا سلوک اور تشدد کا نشانہ بنانے پر چارسدہ پولیس کے خلاف احتجاج کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ پولیس نے موسیقی کی ایک تقریب پر چھاپہ مارا اور انہیں بغیر کسی وجہ کے غیر قانونی طور پر تھانے میں بند کرکے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا۔

نومبر میں، ایک خواجہ سراء نے شکایت درج کرائی کہ ایک شخص نے اسے ایک تقریب میں رقص سے روکنے کے لیے اس پر فائرنگ کردی جس کے بعد پولیس نے مذکور شخص کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ درج کرلیا۔

سائبر جرائم

الیکٹرانک جرائم کی روک تھام کا ایکٹ 2016ء (پیکا) کی منظوری کے بعد سے انٹرنیٹ کی فضاء سکڑتی جارہی ہے اور آزادیاں تیزی سے محدود ہورہی ہیں۔ 2018ء میں انٹرنیٹ اور ویب سائٹس کی بندش کا سلسلہ بلا روک ٹوک جاری رہا جبکہ عین اسی وقت سائبر جرائم اور انٹرنیٹ پر صنف پر مبنی تشدد میں بھی اضافہ ہوا۔

وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) اور ان مسائل پر کام کرنے والی غیر منافع بخش تنظیموں کا کہنا ہے

کہ پاکستان بھر میں سائبر جرائم اور آن لائن ہراسانی میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ ایف آئی کے مطابق، 2018ء میں (جنوری سے اکتوبر تک) 2295 تحقیقات انجام دی گئیں، 255 مقدمات درج کیے گئے اور 209 افراد کو گرفتار کیا گیا۔ یہ تعداد 2017ء کے مقابلے میں تقریباً دوگنا زیادہ ہے۔ 2017ء میں 1290 تحقیقات انجام دی گئی تھیں۔ 2018ء میں ڈیجیٹل رائٹس فاؤنڈیشن کو اس کی ہیلپ لائن پر 193,1 اطلاعات موصول ہوئیں جن میں سے 1,225 کا تعلق خواتین سے تھا۔ پاکستان میں ڈیجیٹل پیغام رسانی تک رسائی خواتین کے لیے اب بھی خطرناک ہے جس کی نشاندہی ٹیکسلا میں پیش آنے والے ایک واقعے سے ہوتی ہے جس میں ایک شخص نے مختلف موبائل نمبروں پر میسج بھیجنے پر اپنی بیوی کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز کو خواتین اور خواجہ سراء افراد کے خلاف تشدد کی تشہیر کے لیے بھی استعمال کیا گیا۔ مثال کے طور پر پشاور میں ایک خواجہ سراء خاتون کے ساتھ اجتماعی جنسی زیادتی کی ویڈیو بنائی گئی اور اس کی موبائل فونز کے ذریعے تشہیر کی گئی۔

2018ء کے شروع میں، انٹرنیٹ پر توہین مذہب کا ایک واقعہ سامنے آیا جو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ہاتھوں ملزم پر تشدد اور ہراسانی پر منتج ہوا۔ یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے اس قانون کے ناجائز استعمال کا قوی امکان موجود ہے۔

2018ء میں، پاکستان میں پہلی مرتبہ ایک شخص کو انٹرنیٹ پر بچوں کی فحش نگاری کے جرم کے تحت سزا سنائی گئی۔ یہ واقعہ پنجاب میں پیش آیا۔ ملزم کو پیکا کے آرٹیکل 22 کے تحت سات سال قید کی سزا سنائی گئی۔ جھنگ میں ایک اور شخص کو بچوں کی فحش نگاری پر مبنی ویڈیوز رکھنے اور ان کا کاروبار کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔

پاکستان بھر سے آن لائن ہراسانی کے متعدد واقعات سامنے آئے۔ جنوری میں ایف آئی اے نے پشاور میں انسانی حقوق کی کارکن گلالئی اسماعیل کو سوشل میڈیا کے ذریعے جان سے مارنے کی دھمکیاں دینے پر ایک شخص کو گرفتار کیا۔ گلالئی اسماعیل مقتول مشال خان کے لیے انصاف کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ فروری میں، فیصل آباد میں انٹرنیٹ پر ایک خاتون کو بلیک میل اور ہراساں کرنے پر ایک شخص کو گرفتار کیا گیا۔ مارچ میں، لاہور میں ایک مجسٹریٹ نے انٹرنیٹ پر ایک خاتون کو ہراساں کرنے پر ایک شخص کو چھ سال قید اور سات لاکھ روپے جرمانے کی سزا سنائی۔ اپریل میں ایف آئی اے نے ہری پور میں خود کو پیر ظاہر کرنے والے ایک شخص کو ایک خاتون کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے اور بلیک میل کرنے کے الزام میں گرفتار کیا۔ جون میں ایک میڈیکل کے طالب علم کو انٹرنیٹ پر ایک خاتون کو ہراساں کرنے اور فیس بک کے ذریعے اس سے رقم بٹورنے کے جرم میں گرفتار کیا۔

اداروں پر حملے

نومبر 2018ء میں، کراچی میں چینی سفارت خانے پر حملے میں سات افراد ہلاک ہوئے۔ حملہ آور سفارت خانے تک رسائی میں ناکام رہے تھے۔ تاہم اس حملے نے پاکستان میں غیر ملکی وفود کی سکیورٹی اور علاقائی تعاون پر مبنی ترقیاتی منصوبوں کے حوالے سے خدشات کو جنم دیا۔

ہجوم کے حملے

سال کے دوران ہجوم کی جانب سے متعدد حملے سامنے آئے جن میں پولیس نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ مئی میں، 600 سے 700 افراد پر مشتمل ہجوم تحصیل میونسپل کمیٹی کے ہمراہ سیالکوٹ میں بظاہر غیر قانونی تعمیر پر احمدیوں کی ایک تاریخی عمارت کو مسمار کرنے کے لیے پہنچے۔ ایک بظاہر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عبادت گاہ اور اس سے ملحقہ عمارت کو مسمار کر دیا گیا اور ان میں لوٹ مار کی گئی۔ اس بات کے واضح شواہد موجود تھے کہ یا تو انتظامیہ کے پاس حملہ آوروں کے خلاف کارروائی کا اختیار نہیں تھا یا پھر وہ ان کی سرگرمیوں میں برابر کی شریک تھی۔

نومبر کے شروع میں، سپریم کورٹ کی جانب سے توہین رسالت کے مقدمے میں آسیہ بی بی کی رہائی کے بعد تحریک لبیک یا رسول اللہ کے ارکان نے ملک بھر میں مظاہرے کیے جس سے بڑے شہروں میں معمولات زندگی معطل ہو کر رہ گئے۔ ان واقعات کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر تشدد دیکھنے میں آیا اور املاک کو نقصان پہنچا۔ مرکزی شاہراہوں کو بلاک کر دیا گیا، کاروں اور بسوں کو نذرِ آتش کیا گیا، ٹال بوتھ لوٹ لیے گئے، پولیس افسران پر حملے کیے گے، اور املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ حکومت نے مظاہرین کے ساتھ مذاکرات کیے جس پر احتجاج ختم کر دیا گیا۔

پولیس فورس میں خواتین

اگرچہ پولیس میں خواتین کی تعداد کم رہی تاہم کچھ خواتین کے کردار نے مرکزی توجہ حاصل کی۔ چینی

ایس ایس پی سہیل عزیز چینی قونصلیٹ پر شدت پسندوں کے خلاف آپریشن کی قیادت کرتے ہوئے

سفارت خانے پر حملے کے بعد ایس ایس پی سہیل عزیز تالپر کو آپریشن کی قیادت کرنے پر سراہا گیا۔ اگرچہ 2018ء کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں تاہم نیشنل پولیس بیورو (این پی بی) کی جانب سے تیار کی گئی رپورٹ کے مطابق پولیس میں خواتین کے لیے دس فیصد کوٹہ کے باوجود ان کی تعداد دو فیصد سے بھی کم تھی۔ ملک بھر میں 391,364 پولیس اہلکاروں میں خواتین کی تعداد صرف 5,731 تھی۔ گلگت۔ بلتستان میں پولیس فورس میں خواتین کی تعداد سب سے زیادہ 3.4 فیصد اور بلوچستان میں سب سے کم 0.48 فیصد تھی۔

لاہور پولیس کے انویسٹی گیشن ونگ کی سالانہ کارکردگی رپورٹ کے مطابق، 2018ء، میں ایس پی ماڈل ٹاؤن (انویسٹی گیشن) ڈاکٹر انوش مسعود چودھری نے جرائم کے خلاف سب سے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ انہیں جرائم کے 74 فیصد مقدمات کے چالان مقامی عدالتوں میں پیش کرنے پر انعام سے نوازا گیا۔

پنجاب میں، خواتین کے تین پولیس اسٹیشن لاہور، راولپنڈی اور فیصل آباد میں قائم کیے گئے۔ ان تھانوں کا عملہ خواتین پولیس افسران پر مشتمل ہے اور ان کا مقصد جرائم اور گھریلو تشدد سے متاثرین کو مدد فراہم کرنا ہے۔

محکمہ پولیس میں موجود خواتین کی سلامتی بھی ایک لمحہ فکریہ ہے۔ ستمبر 2018ء میں ایک واقعہ پیش آیا جس میں ایک خاتون کانسٹیبل کو نامعلوم شخص نے گھر جاتے ہوئے مبینہ جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا۔

سفارشات

☆ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے مؤثر اور آزادانہ قدغنی توازن اقتدار قائم کیا جائے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں، ماورائے عدالت ہلاکتوں اور اختیارات کے ناجائز استعمال کا تدارک کیا جائے۔

☆ محکمہ پولیس میں انضباطی اور جوابدہی سے متعلق طریق ہائے کار کے حوالے سے زیادہ شفافیت لائی جائے، خاص طور پر پولیس کی جانب سے زیادتیوں اور ایذا رسانی کے واقعات میں۔

☆ پولیس افسران کی بھرتی اور تربیت کے حوالے سے زیادہ سخت طریق ہائے کار اپنائے جائیں تاکہ محکمہ پولیس میں وقار، ایمانداری اور پیشہ ورانہ برتاؤ کو یقینی بنایا جاسکے۔ اس سے شہریوں کا اعتماد حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔

☆ پولیس فورس میں خواتین کی بھرتی اور شمولیت کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں تاکہ صنفی حساسیت اور خواتین کی مساوی شمولیت کو یقینی بنایا جاسکے۔

☆ خواتین کے خلاف تشدد سے متعلق مراکز کا دائرہ پورے پاکستان تک وسیع کیا جائے تاکہ صنف پر مبنی تشدد کی مؤثر تلافی کی جاسکے۔

☆ خواتین، بچوں اور خواجہ سراؤں کے خلاف جرائم کی تحقیقات اور قانونی کارروائی کے لیے زیادہ وسائل مہیا کیے جائیں۔

قید خانے اور قیدی

کسی بھی شخص کو جسے گرفتار کیا جاتا ہے، گرفتاری کی وجوہات بتائے بغیر حراست میں نہیں رکھا جائے گا۔ اسے اپنی مرضی کے وکیل سے مشورہ کرنے اور قانونی تحفظ حاصل کرنے کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ ہر وہ شخص جسے گرفتار کرنے کے بعد حراست میں رکھا گیا ہے، گرفتاری کے 24 گھنٹے کے اندر مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا جائے گا۔

آئین پاکستان
[آرٹیکل 10(1)-اور(2)]

ہر انسان کا احترام اور وقار اور قانون کے تابع رہتے ہوئے خلوت اور تنہائی ناقابل دخل اندازی ہے۔
کوئی معلومات، شہادت، ثبوت حاصل کرنے کی خاطر، کسی شخص کو تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔ **[آرٹیکل 14-(1)-اور(2)]**

کسی شخص کو اذیت رسانی یا ظالمانہ، غیر انسانی یا رسوا کن سلوک یا سزا کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور
[آرٹیکل-5]

ہر شخص کو ہر کہیں قانون کے روبرو خود کو انسان تسلیم کروانے کا حق حاصل ہے۔ **[آرٹیکل-6]**

کسی شخص کو بے جا گرفتاری، حراست یا جلاوطنی کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔ **[آرٹیکل-8]**

ہر فریق ریاست اپنے زیر انتظام علاقوں میں ایذارسانی پر قابو پانے کے لیے مؤثر قانونی، انتظامی اور دیگر اقدامات کرے گی۔

ایذارسانی اور دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا تضحیک آمیز سلوک یا سزا کے خلاف عالمی معاہدہ
[آرٹیکل-2]

ہر فریق ریاست ایذارسانی کو فوجداری قانون کے تحت جرم قرار دے گی۔ یہ قانون ان تمام افراد پر لاگو ہوگا جو کسی کو ایذارسانی کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں یا کوئی ایسا اقدام کرتے ہیں جس سے ثابت ہو کہ وہ ایذارسانی کے عمل میں شریک ہوئے ہیں۔
ہر فریق ریاست جرم کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے، ان جرائم کو مناسب سزاؤں کے ذریعے قابل تعزیر ٹھہرائیں گی۔

ایذارسانی اور دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا تضحیک آمیز سلوک یا سزا کے خلاف عالمی معاہدہ
[آرٹیکل-4]

پاکستانی جیلوں میں گنجائش سے کہیں زیادہ قیدی رکھے جاتے ہیں اور اس ضمن میں دی گئی سفارشات اور ہدایات پر عمل درآمد نہایت سست ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق، جیلوں میں بند قیدیوں میں سے دو تہائی ایسے ہیں جن کے مقدمات یا تو زیر سماعت ہیں یا پھر ان کی سماعت کا سرے سے آغاز ہی نہیں ہوا۔ جیلوں میں گنجائش سے 57 فیصد زائد قیدی رکھے گئے ہیں، قیدیوں اور جیل عملے کی حالت زار بہتر بنانے کے لیے گنجائش سے زائد قیدیوں کے

مسئلے پر قابو پانا ضروری ہے۔ جیل میں حفظان صحت کی سہولیات کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور ایسے حالات میں وبائی امراض تیزی سے پھیلتے ہیں۔ علاج کی مناسب سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے یہ صورتِ حال مزید خراب ہو جاتی ہے۔

قید خانے

جولائی 2018 میں وفاقی محتسب نے جیلوں میں قیدیوں کی حالت زار سے متعلق عدالتِ عظمیٰ کے ایک از خود نوٹس کی سماعت کے دوران عدالت کو آگاہ کیا کہ اِس وقت ملک بھر میں قائم 98 جیلوں میں 78,160 قیدی موجود ہیں، جبکہ ان جیلوں میں 63,532 قیدیوں کو رکھنے کی گنجائش ہے۔ اِن میں سے 25,195 قیدی سزا یافتہ ہیں، 48,780 کے مقدمات زیرِ سماعت ہیں اور 4,688 سزائے موت کے قیدی ہیں۔

ورلڈ پرزن بریف اور عالمی کمیٹی برائے صلیبِ احمر کے اعداد و شمار کے مطابق 2018 میں پاکستان میں قیدیوں کی کُل تعداد 83,718 تھی جو وفاقی محتسب کی بتائی تعداد سے قدرے زائد ہے۔ ان قیدیوں میں سماعت کے آغاز کے منتظر اور ریمانڈ یافتہ قیدی بھی شامل تھے۔ ورلڈ پرزن بریف کے اعداد و شمار بعض دیگر پہلوؤں کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ ورلڈ پرزن بریف کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں جیلوں کی تعداد 106 ہے، جہاں 53,231 قیدی رکھنے کی گنجائش ہے، چنانچہ 2018 میں جیلوں میں گنجائش سے 57.3 فیصد زائد قیدی تھے۔ اگرچہ جیلوں میں قیدیوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، پھر بھی قید خانوں کی موجودہ تعداد اور قیدیوں کی گنجائش میں بہت زیادہ فرق ہے۔

سپریم کورٹ نے تمام صوبوں کو قید خانوں کے نظم و نسق میں ناکامی کے بارے میں وفاقی محتسب کی جائزہ رپورٹ پر اپنے جوابات و اعتراضات جمع کرانے کی ہدایت کی۔

مارچ 2018 میں چھپنے والی ایک خبر کے مطابق، قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) نے "بلوچستان کے قید خانے: ایک انکشاف" نامی ایک رپورٹ تیار کی۔ رپورٹ کے مطابق" پاکستان میں جیلوں کا نظام بڑھتے ہوئے جرائم اور سیکیورٹی کے دوسرے سنگین مسائل، خاص کر ملک بھر میں پھیلی متشدد انتہا پسندی پر قابو پانے کے لیے بدلتے وقت کے تقاضوں کو نبھانے میں ناکام رہا ہے۔" این سی ایچ آر کے افسران نے یہ رپورٹ کوئٹہ ڈسٹرکٹ جیل، مچھ سنٹرل جیل، اور سبی ڈسٹرکٹ جیل کے دورے کے بعد مرتب کی۔ یہ دورے این سی ایچ آر ایکٹ 2012 کی شق 9۔ ج پر عملدرآمد کے لیے کیے گئے۔ یہ رپورٹ قید خانوں کے نظم و نسق میں انسانی حقوق کو پیشِ نظر رکھنے کو اہم ترین قرار دیتی ہے۔

رپورٹ کے مطابق، اس وقت بلوچستان کی جیلوں میں قیدیوں کی تعداد 2300 کے قریب ہے جن میں سے 942 سزا یافتہ جبکہ 1,166 کے مقدمات زیرِ سماعت ہیں۔ رپورٹ کے مطابق بلوچستان کی جیلوں کی زُبوں حالی ملکی سلامتی کو درپیش داخلی مسائل کی شدت میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ، پاکستان میں تشدد اور انتہا پسندی کا فروغ روکنے کی کوششوں کو نقصان پہنچانے کا بھی باعث بن سکتی ہے۔ رپورٹ جیلوں میں انسانی حقوق کی خلاف

ورزیوں کا خصوصی تذکرہ کرتے ہوئے، عملے کے غیر تربیت یافتہ ہونے، کم تر تنخواہوں اور نظم وضبط کے فقدان کو ان خلاف ورزیوں کی وجہ قرار دیتی ہے۔

گزشتہ برس قومی کمیشن برائے انسانی حقوق نے سنٹرل جیل پشاور، ہری پور، بنوں اور مردان اور ڈسٹرکٹ جیل کوہاٹ کا بھی دورہ کیا۔ کمیشن کے مشاہدے میں یہ بھی آیا کہ جیلوں کے حالات ذہنی بیمار قیدیوں کے لیے خاصے ابتر ہیں۔ کمیشن کی رپورٹ کے مطابق پانچ جیلوں میں 251 ذہنی بیمار قیدی قید تھے۔ ان قیدیوں کی کوٹھڑیوں میں روشنی، ہوا کی آمدورفت، بستر اور طہارت کی سہولیات نامناسب تھیں۔ خوراک اور لباس کا انتظام ناکافی تھا اور مناسب طبی سہولیات بھی میسر نہیں تھیں۔ مزید برآں، رپورٹ کے مطابق رابطے کا (فقدان) بنیادی مسئلہ ہے۔ جیلوں میں ذہنی بیمار قیدیوں کے لیے نہ تو سازگار ماحول ہے اور نہ ہی سماجی، اخلاقی اور رویہ جاتی بدلاؤ کے امکانات موجود ہیں۔

گنجائش سے زائد قیدی

وفاقی محتسب کی سپریم کورٹ میں پیش کی گئی رپورٹ کے مطابق پنجاب بھر کی 41 جیلوں میں 48,760 قیدی رکھے گئے ہیں جبکہ اِن جیلوں میں صرف 33,235 قیدیوں کی گنجائش ہے۔ سندھ کی 25 جیلوں میں 18,420 قیدی ہیں جہاں قیدیوں کی کل گنجائش 12,413 ہے۔ خیبر پختونخوا کی 6 سنٹرل اور 15 ڈسٹرکٹ جیلوں میں 8,395 قیدیوں کی گنجائش ہے مگر یہاں 10,358 قیدی بند ہیں۔ بلوچستان کی جیلوں کی حالتِ زار پر این سی ایچ آر کی رپورٹ کے پیش نظر یہ امر حیران کن ہے کہ اس صوبے کی جیلوں میں قیدیوں کی تعداد گنجائش سے کم ہے۔ بلوچستان کی 11 جیلوں میں 585,2 قیدیوں کو رکھنے کی گنجائش ہے لیکن وہاں قیدیوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ 2,158 ہے۔

محتسب نے تمام صوبوں کو قیدیوں خاص کر جیلوں میں قید خواتین، بچوں اور غریب افراد کی زندگیاں بہتر بنانے کے لیے کمیٹیاں قائم کرنے کی تجویز دی ہے۔ محتسب نے تمام اضلاع میں عدالتی احکامات پر عملدرآمد کی نگرانی کے لیے ضلعی جائزہ کمیٹیاں تشکیل دینے کی بھی تجویز پیش کی ہے۔ کمیٹیوں میں سول سوسائٹی، وکلا تنظیموں، تعلیم اور صحت کے شعبوں میں نمایاں کارکردگی اور اچھی ساکھ کے حامل افراد کو شامل کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ رپورٹ میں وزارتِ داخلہ اور محکمہ جیل خانہ جات کو تجویز دی گئی ہے کہ وہ سینئر سرکاری افسران کو فوکل پرسن تعینات کریں۔ یہ مجوزہ کمیٹیاں اچانک دورے کر سکیں۔

جیلوں پر سے قیدیوں کا دباؤ کم کرنے کے لیے یہ سفارش بھی پیش کی گئی کہ کمیشن برائے قانون وانصاف، ایڈوکیٹ جنرل اور صوبائی محتسب کے ساتھ مل کر قیدیوں کی آزمائشی بنیادوں اور پیرول پر رہائی کے نظام کا جائزہ لے اور اس کی توسیع کے لیے منصوبہ پیش کرے۔

قیدیوں کو عدالتوں میں پیشی پر لے جاتے وقت اور سیکیورٹی اقدامات کی صورت میں گنجائش سے زائد قیدیوں کا مسئلہ زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔ عدالتی فیصلوں میں تاخیر، پیرول کے مناسب نظام کی عدم موجودگی اور بے

پُرہجوم جیلیں قیدیوں کو سنبھالنے سے قاصر ہیں اور جیلوں میں قیدیوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور تشدد کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں

لچک ضمانتی قوانین جیلوں میں گنجائش سے زائد قیدیوں کی اہم وجوہ ہیں۔

اخباری اطلاعات کے مطابق اکتوبر 2018 میں لاہور ہائی کورٹ نے صوبے میں نئی جیلوں کی تعمیر کے سلسلے میں حکومتِ پنجاب کی ناکامی پر مایوسی کا اظہار کیا اور نئی جیلوں کی تعمیر کے منصوبوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیشن تشکیل دیا۔ اسی مقدمے کی 2016 میں ہونے والی سماعت کے دوران حافظ آباد، نارووال، شجاع آباد، راجن پور اور خانیوال کی جیلوں میں جاری ترقیاتی کام کی دو مہینے کے اندر تکمیل یقینی بنانے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ ایڈووکیٹ جنرل اِس کمیٹی کے سربراہ تھے جبکہ کمیٹی کے اراکین میں ڈپٹی انسپکٹر جنرل (جیل خانہ جات) اور داخلہ، مواصلات اور ورکس، پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ، اور فنانس کے محکموں کے ایڈیشنل سیکرٹری شامل تھے۔

تاہم، معزز جج کے علم میں لایا گیا کہ زیرِ تعمیر جیلوں کے منصوبوں پر کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوسکی۔ انہوں نے نوٹ کیا کہ ان منصوبوں کا جائزہ لینے کے لئے پچھلے 6 ماہ میں کمیٹی کا ایک بھی اجلاس منعقد نہیں کیا گیا۔ دوران سماعت جج نے مشاہدہ کیا کہ جیلوں میں قیدیوں کی تعداد میں مسلسل اضافے کے باوجود گزشتہ دس برس کے دوران ایک بھی نئی جیل تعمیر نہیں کی جاسکی۔

گزشتہ برس کے اواخر میں صوبائی محکموں کے بارے میں ایسی خبریں سامنے آئیں جن کے مطابق متعلقہ صوبائی حکومتوں سے فنڈ حاصل کر لیے گئے ہیں اور نئی جیلوں کی تعمیر شروع ہوچکی ہے۔ سال کے اختتام پر سندھ میں ملیر، میر پور خاص اور نوابشاہ کے اضلاع میں نئی جیلیں زیرِ تعمیر تھیں جبکہ مِٹھی، قنبر علی شاہ، ٹنڈو اللہ یار، جامشورو، کشمور اور کندھ کوٹ سمیت متعدد اضلاع میں کوئی جیل موجود نہیں تھی۔

جیلوں کی صورتِ حال

گنجائش سے زائد قیدیوں کے باعث جیلوں کے انتظام وانصرام اور کم سے کم معیار کے اطلاق کے ساتھ ساتھ قیدیوں کی فلاح و بہبود کے منصوبے بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ قیدیوں کی رہائش کے لیے جگہ کی ضرورت میں اضافے کے نتیجے میں کھیل کود، تعلیمی، ثقافتی اور مذہبی سرگرمیوں کے لئے استعمال ہونے والی جگہ میں کمی کر دی جاتی ہے۔ گنجان جیلوں کا انتظام سنبھالنا مشکل ہے، ایسی جیلوں میں قیدیوں کے درمیان تشدد اور لڑائی جھگڑوں کے واقعات عام ہوتے ہیں۔ نقل وحرکت پر عائد پابندیاں قیدیوں کے غصے اور جارحانہ پن میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ تنگ اور محدود جگہ پر قیدیوں کو بند رکھنے سے انتظامیہ کو نظم ونسق قائم رکھنے اور حفاظتی اقدامات یقینی بنانے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قومی ادارہ برائے انسدادِ دہشت گردی نے، کرسر فار ڈویلپمنٹ اینڈ ایجوکیشن پاکستان اور انٹرنیشنل ریڈ کراس کمیٹی کے اشتراک سے" پاکستان میں قبل اَز سزا احراست میں کمی کے ذریعے جیلوں میں گنجان آبادی کا خاتمہ" کے عنوان سے ایک تحقیق کی ہے۔ تحقیق کے نتائج کے مطابق پاکستانی قید خانوں میں گنجائش سے 57 فیصد زائد قیدی موجود ہیں، جو قیدیوں کے ساتھ ساتھ جیل عملے کی زندگیوں پر بھی مضر اثرات کا باعث ہے۔ دسمبر 2018 میں سامنے آنے والی خبروں کے مطابق بلوچستان کی 11 جیلیں پانی کی قلت کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہیں۔

وفاقی محتسب نے یہ تسلیم کیا کہ اگرچہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ان قیدیوں کو مقامی آبادی اور این جی اوز کے اشتراک سے امداد مہیا کی جارہی ہے، تاہم قیدیوں کو (سرکاری سطح پر) بستر، ادویات، ایگزاسٹ پنکھے، بجلی کے کولر اور کمبل جیسی بنیادی سہولیات مہیا کرنے کے لیے موثر نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ جیلیں قیدیوں کی اصلاح میں کسی بھی قسم کا کردار ادا کرنے میں ناکام ثابت ہورہی ہیں۔

محتسب کی رپورٹ میں متعدد سفارشات پیش کی گئی ہیں۔ ان سفارشات میں منشیات کے عادی اور ذہنی طور پر بیمار قیدیوں کو بحالی مراکز اور ذہنی امراض کے شفاخانوں میں داخل کروانا شامل ہے، جہاں انہیں علاج معالجے کی سہولیات میسر ہوں۔ اس رپورٹ میں یہ سفارش بھی پیش کی گئی ہے کہ قیدیوں خاص طور پر جیلوں میں موجود عورتوں اور بچوں کے گھر والوں کو ہفتے میں ایک بار، طے شدہ دنوں میں ان سے ملاقات کا حق ہونا چاہیے اور اس ضمن میں مناسب سہولیات بھی مہیا کی جانی چاہئیں۔ رپورٹ قیدیوں کو پیشی کے لیے عدالت لانے اور لے جانے اور عدالت کے احاطے میں اس ضمن میں دی جانے والی سہولیات کا جائزہ لینے اور انہیں بہتر بنانے کی بھی سفارش کرتی ہے۔

خواتین اور نابالغ قیدی

ورلڈ پرِزن بریف ڈیٹا کے مطابق، 2018 میں پاکستانی جیلوں میں خواتین قیدیوں کا تناسب 1.8 فیصد ہے۔

19,55 عورتیں اور 1,225 بچے ملک کی مختلف جیلوں میں بند ہیں

ازخود نوٹس کے تحت سنے جانے والے مذکورہ بالا مقدمے کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ کو بتایا گیا کہ ملک کی مختلف جیلوں میں 1,955 خواتین اور 1,225 نابالغ قیدی ہیں۔ ایک اخباری خبر کے مطابق، پنجاب میں سزا یافتہ خواتین قیدیوں کی تعداد 359 جبکہ سزا یافتہ نابالغ قیدیوں کی تعداد 629 ہے۔ (محکمہء جیل خانہ جات پنجاب کے دسمبر 2018 کے اعداد و شمار کے مطابق، خواتین قیدیوں کی کُل تعداد 893 جبکہ نابالغ قیدیوں کی تعداد 671 تھی۔)

سندھ میں خواتین قیدیوں کی تعداد 192 ہے۔ ایک خبر کے مطابق خیبر پختونخوا میں 382 نابالغ قیدی ہیں۔ خبر میں اس امر کی بھی نشاندہی کی گئی کہ جیلوں میں خطرناک مجرموں، پہلی بار جرم کرنے والوں، نابالغ قیدیوں اور خواتین قیدیوں کے لیے الگ الگ بیرک موجود نہیں۔

وفاقی محتسب نے صوبائی حکومتوں کو ہر ضلع میں، جبکہ وفاقی حکومت کو اسلام آباد میں ایک جیل تعمیر کرنے کی تجویز دی ہے۔ ہر جیل میں خواتین اور نابالغ قیدیوں کے لئے ایک الگ اور انتظامی طور پر خودمختار حصہ ہونا چاہیے، جہاں ہر قیدی کے لئے سونے اور رفع حاجت کے انتظام کے ساتھ ساتھ حفظانِ صحت کی سہولیات کا بھی مناسب انتظام ہونا چاہیے۔

اکتوبر 2018 میں، لاہور ہائی کورٹ نے حکومت کو ہر جیل میں خواتین اور بچوں کے لئے خاتون ڈاکٹر تعینات کرنے کی ہدایت کی تھی۔ حکومت کو جیلوں میں خواتین اور مرد قیدیوں کے لیے الگ الگ بیرکوں کی فراہمی یقینی

بنانے کی بھی ہدایت کی گئی۔

ستمبر 2018 میں سپریم کورٹ نے ایک 21 سال کے قیدی کو گیارہ سال جیل میں گزارنے کے بعد رہا کرنے کا حکم دیا۔ منشیات فروشی کے جرم میں گرفتاری کے وقت محمد عدنان کی عمر دس سال تھی۔ عدنان کو شیخوپورہ کی جووینائل عدالت نے عمر قید کی سزا سنائی جس کی توثیق لاہور ہائی کورٹ نے بھی کی۔ جرم میں عدنان کے ساتھ شریک مجرمان جن میں سے ایک پولیس کانسٹیبل بھی تھا فرار ہو گئے، اور اُن کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہیں کی گئی۔ عدنان تپ دق کے مریض ہیں جنہیں علاج کے لیے ہر ہفتے ہسپتال لے جانا ضروری ہے۔

حالیہ وقتوں میں، نابالغ قیدیوں سے جنسی زیادتی اور بدسلوکی کی خبریں سامنے آئی ہیں۔ جووینائل جسٹس سسٹم ایکٹ 2018 کے مطابق سزا یافتہ نابالغ قیدیوں کو سزا پوری ہونے یا ان کی عمر اٹھارہ سال ہونے تک بحالی مراکز میں رکھا جانا چاہیے۔ ان بحالی مراکز میں سزا یافتہ نابالغ قیدی تعلیم کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ یا فنی تربیت سے بھی آراستہ ہو سکتے ہیں۔ نابالغ زنانہ قیدیوں کو صرف ایسے خصوصی بحالی مراکز میں رکھا جانا چاہیے جن کا انتظام و انصرام خواتین پر مشتمل عملے کے ہاتھ میں ہو۔ اخباری اطلاعات کے مطابق پاکستان میں نابالغ قیدیوں کے لیے کُل سات قید خانے موجود ہیں جن میں سے دو پنجاب، چار سندھ اور ایک خیبر پختونخوا میں ہے، خیبر پختونخوا میں قائم یہ جیل فعال نہیں۔ بظاہر بلوچستان میں ایسی کوئی جیل موجود نہیں ہے۔

جیلوں میں ماؤں کے ساتھ قید بچوں کی تعداد 500 تک ہو سکتی ہے تاہم سرکاری اعداد و شمار کی عدم موجودگی کے باعث اس کی توثیق ناممکن ہے۔

بیرون ملک جیلوں میں قید پاکستانی قیدی

سول سوسائٹی کارکُن محترمہ ردا قاضی کی جانب سے دائر مقدمے میں، جو طویل عرصے سے التواء کا شکار تھا، ستمبر 2018 میں اہم پیش رفت ہوئی۔ کئی برس قبل انہوں نے پاکستان میں جیلوں کی اصلاح کے لئے ایک درخواست جمع کروائی تھی۔ ردا قاضی نے عدالت سے پاکستان جیل قواعد (جیل مینوئل) کے موثر اطلاق کی درخواست کی تھی۔ انہوں نے بیرون ملک قید پاکستانیوں کی وطن واپسی کے لیے حکومتی تعاون اور نئی جیلوں کی فوری تعمیر پر زور دیا۔

عدالتی ہدایت کے جواب میں، وزارتِ داخلہ نے ستمبر میں لاہور ہائی کورٹ میں ایک رپورٹ جمع کروائی۔ اس رپورٹ میں بیرون ملک قید پاکستانیوں سے متعلق اعداد و شمار ظاہر کیے گئے، رپورٹ کے مطابق بیرون ملک قیدیوں کی تعداد 11,803 ہے۔ رپورٹ میں مختلف ممالک میں قید پاکستانیوں کی تفصیل بھی دی گئی تھی۔ رپورٹ میں سعودی عرب، یونان، بھارت، افغانستان، چین، ایران اور ملیشیا میں قید پاکستانیوں کی قطعی تعداد بتائی گئی ہے۔ مختلف ممالک میں پاکستانی قیدیوں کی تعداد مندرجہ ذیل ہے:

ملک کا نام	پاکستانی قیدیوں کی تعداد
سعودی عرب	2,937
یونان	1,842
بھارت	582
افغانستان	177
چین	242
ایران	188
ملیشیا	226

اس مقدمے کی سماعت کے دوران یہ انکشاف بھی ہوا کہ وزارت نے 35,000 امریکی ڈالر کی ضمنی گرانٹ کے لیے سمری فنانس ڈویژن کو بھجوائی تھی۔ یہ رقم بیرون ملک قید پاکستانیوں کو وطن واپس لانے کے لئے انتظامات کی مد میں خرچ کی جانی تھی۔ اِس ضمن میں کامیابی کا حصول اور رقم کا صحیح استعمال یقینی بنانے کے لیے مناسب مہلت دیئے جانے کی ضرورت پر بھی ضرور دیا گیا۔

علاوہ ازیں، اس امر کی بھی نشاندہی کی گئی کہ سپریم کورٹ کی ہدایت کے مطابق 20 ممالک کے ساتھ مجرموں کے تبادلے کے معاہدوں کے لیے کارروائی شروع کی جا چکی ہے۔ اِن ممالک میں سعودی عرب، ایران، ترکی، چین، روس، قطر، بحرین، ملیشیا، آئرلینڈ، یمن، افغانستان، مالدیپ، کوریا، اُردن، آذربائیجان، اُزبکستان، سائپرس، سیشیلس، کرغستان اور نائجیر یا شامل ہیں۔

27 دسمبر 2018 کو برطانوی ہائی کمیشن میں برطانیہ اور پاکستان کے مابین قیدیوں کے تبادلے ' کا معاہدہ طے پایا، جس میں دونوں ممالک میں قید ایک دوسرے کے شہریوں کو اپنی باقی ماندہ سزا اپنے گھر کے قریب گزارنے کی اجازت دی گئی ہے۔ برطانوی ہائی کمشنر کے مطابق ستمبر میں برطانوی ہوم سیکرٹری کے دورہ پاکستان کے دوران دونوں ممالک کے مابین اس معاہدے کی منظوری پر اصولی اتفاق ہو گیا تھا۔ اس موقع پر دونوں ممالک کے مابین سابقہ معاہدے کی تجدید اور اس میں بہتری لانے، اور اس میں ایسی شرائط کی شمولیت پر اتفاق کیا گیا جو دونوں ممالک سے تبادلہ یافتہ قیدیوں کے لیے رہائی سے قبل سزا کی تکمیل یقینی بنا سکیں۔ اس معاہدے کی رُو سے قیدیوں کو اس بات کی بھی اجازت ہے کہ جب وہ بالآخر اپنی سزا مکمل کر لیں تو اپنے آبائی علاقے میں واپس جا کر دوبارہ نئی زندگی شروع کر سکیں۔

جیلوں میں ایذا رسانی

26 جون 2018 کو ایذا رسانی سے متاثرہ افراد کی حمایت میں عالمی دِن منایا گیا۔ اس موقع پر قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) کے ایک رُکن نے نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ پاکستان ایذا رسانی

کے خلاف کنونشن پر دستخط کر چکا ہے اور یہاں ایذا رسانی کی درست تعریف کرنے اور اسے جرم قرار دینے کے لیے قانون سازی کی ضرورت ہے۔

ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس (جیل خانہ جات) راولپنڈی کے بیان کے مطابق ایذا رسانی کے شکار قیدیوں کے لئے محکمے کی طرف سے جیلوں میں ایک ماہرِ نفسیات کو تعینات کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جیلوں میں ایذا رسانی کے خاتمے کے لئے گنجائش سے زائد قیدیوں کے مسئلے پر قابو پانا نہایت اہم ہے، ان کے خیال میں اس مقصد کے لیے کم از کم جیل کے ماتحت عملے میں اضافہ ضروری ہے۔ ایذا رسانی کے واقعات میں عملے کے ملوث ہونے سے متعلق ڈی آئی جی نے دعویٰ کیا کہ ایسے لوگوں کے خلاف سخت انضباطی کارروائی کی گئی ہے۔

سیکرٹری کمیشن برائے قانون و انصاف نے صوبائی رابطہ کمیٹی برائے انصاف کو شامل کرنے کی تجویز پیش کی۔ ایذا رسانی کے واقعات پر نظر رکھنے کے لیے یہ کمیٹیاں کمیشن کی نگرانی میں کام کر رہی ہیں۔

اسی عالمی دن کے موقع پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے ایک بیان جاری کیا۔ کمیشن نے بل برائے تشدد، دورانِ حراست موت اور دورانِ حراست جنسی زیادتی (بچاؤ اور سزا) پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا۔ یہ بل 2015 میں سینٹ سے منظور ہو چکا ہے تاہم قومی اسمبلی میں معینہ مدت میں منظور نہ ہونے کے باعث ساقط ہو گیا تھا۔ ایچ آر سی پی نے اپنے بیان میں مزید کہا ہے کہ ایذا رسانی، غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک یا سزا سے تحفظ کا حق بلا استثناء ہر قسم کے حالات میں ہر شہری کو حاصل ہے۔ یہ ایک مہذب ریاست کا بنیادی اصول ہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے ریاست سے ایذا رسانی کے خلاف اقوامِ متحدہ کے کنونشن پر عمل درآمد کے لئے اقدامات کا مطالبہ کیا پاکستان اس کنونشن پر دستخط کر چکا ہے۔ کمیشن نے اس میثاق کے اختیاری پروٹوکول کی توثیق اور اس کے مطابق ایذا رسانی سے بچاؤ کا قومی نظام وضع کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔ اس مقصد کے لیے کمیشن نے اپنے بیان میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کو تربیت، وسائل اور تفتیش کے موجودہ فرسودہ طریق کار کی جگہ جدید سائنسی طریقہ کار اختیار کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تعاون فراہم کرنے پر بھی زور دیا ہے۔ ایذا رسانی میں ملوث ریاستی اہلکاروں کے مواخذے کے لیے ایک جمہوری نظام کی تشکیل کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

نظر بندی کے مراکز

02 مئی 2018 کو ایڈیشنل اٹارنی جنرل نے سپریم کورٹ کے تین رکنی بنچ کو آگاہ کیا کہ ملک بھر میں 1,330 افراد مختلف مراکز میں زیرِ حراست ہیں، جبکہ 253 کو رہا کر دیا گیا ہے۔ فاضل بنچ نے اس امر پہ زور دیا کہ حکام کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ جب تک چاہیں شہریوں کو حراست میں رکھیں۔ عدالت نے حکام کو ان جرائم کی تفصیل فراہم کرنے کا بھی حکم دیا جن کے تحت ان افراد کو حراست میں لیا گیا ہے کیوں کہ یہ جاننا شہریوں کا بنیادی حق ہے۔

جیلوں میں ٹیکنالوجی کا استعمال

ڈسٹرکٹ جیل لاہور میں پرزن مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم کے آزمائشی منصوبے کی کامیابی کے بعد دسمبر میں پنجاب بورڈ برائے انفارمیشن ٹیکنالوجی نے اعلان کیا کہ پہلے مرحلے کے دوران پنجاب کی چھ مختلف جیلوں میں اِس نظام کا آغاز کیا جائے گا۔ جیل خانوں کے تمام ریکارڈ کو کمپیوٹرائزڈ کرنا وفاقی محتسب کی سفارشات میں شامل تھا۔

پرزن مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم، انگلیوں کے نشانات کی شناخت کے خودکار نظام کو استعمال کرتے ہوئے اصلاحی اقدامات کی منصوبہ بندی اور اس پر عملدرآمد، عدالتوں سے متعلق روزمرہ امور کی نگرانی اور انصرام، ملاقاتیوں کی بروقت رجسٹریشن، اور عوامی شکایات کے فوری ازالے کے ساتھ ساتھ جیل عملے کے کوائف پر مبنی ایک جامع ڈیٹا بیس کی دیکھ بھال بھی کرتا ہے۔

پنجاب انفارمیشن ٹیکنالوجی بورڈ کے مطابق، یہ نظام محکمہ داخلہ، پنجاب پولیس، لاہور ہائی کورٹ اور انسدادِ بدعنوانی کے لئے بنائے گئے مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم کے ساتھ منسلک ہے۔ یہ نظام جیل کے انتظامی امور کی موثر انجام دہی یقینی بناتا ہے۔ اِس نظام کی دیکھ بھال کے لئے کم افرادی قوت اور وقت درکار ہے۔ اس کے علاوہ اس نظام کی وجہ سے ملاقاتیوں کی مشکلات میں بھی کمی آئی ہے۔ پرزن انفارمیشن مینجمنٹ سسٹم کے آزمائشی منصوبے کے ذریعے 51,547 قیدیوں، 14,895 ملاقاتیوں اور جیل ہسپتالوں میں داخل 136 مریض قیدیوں کی فہرست تیار کی گئی۔

اِسی ماہ سامنے آنے والی سیکرٹریٹ کی رپورٹ کے مطابق پنجاب میں انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات، محکمہ استغاثہ اور عدالتوں نے اپنی سرگرمیاں خودکار نظام کے تحت چلانے کے لیے انفارمیشن ٹیکنالوجی کی مدد سے اپنے اپنے ماڈیولز اور پیکجز بنائے ہیں۔ تاہم ان ماڈیولز کے باہم منسلک نہ ہونے کی وجہ سے اس نظام کے تحت عدالتوں میں قیدیوں کی حاضری کا اندراج نہیں ہو رہا تھا۔ اس مسئلے کی وجہ ان محکموں کی جانب سے باہم مربوط نظام کی بجائے اپنے اپنے علیحدہ نظام تیار کرنے کو قرار دیا گیا ہے۔ سیکرٹریٹ نے فوجداری نظام انصاف کو باہم مربوط کرنے کے لیے نادرا کے تعاون سے کام کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ رپورٹ کے مطابق محکمہ داخلہ حکومت پنجاب، پولیس، جیلوں اور استغاثہ کے ساتھ مل کر اس مقصد کے لیے فزیبلٹی رپورٹ بنائے گا اور ٹائم لائن کے ساتھ منصوبہ بندی کرے گا، یہ منصوبہ بائیومیٹرک تصدیق کے ذریعے قیدیوں کی جیل سے عدالت تک حاضری کے عمل کو مربوط بنائے گا۔

سیکرٹریٹ کی رپورٹ میں کہا گیا کہ سندھ میں پرزن مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم کی تیاری اور تنصیب کے لیے 20 اپریل کو محکمہ جیل خانہ جات سندھ اور یو این او ڈی سی کے مابین مفاہمت کی ایک یادداشت (ایم او یو) پر دستخط کئے گئے۔ جیل حکام کو نادرا ڈیٹا بیس تک رسائی فراہم کرنے کے لیے ایک مرتبہ پھر درخواست کی گئی تاکہ قیدیوں کے ساتھ ساتھ ملاقاتیوں کی درست شناخت بھی یقینی بنائی جا سکے۔

مثبت اقدامات

ستمبر 2018 میں وفاقی محتسب نے سپریم کورٹ میں ایک رپورٹ جمع کرائی، رپورٹ جیل خانوں کی حالتِ زار کو بہتر بنانے کے لیے دی گئی سفارشات پر عمل درآمد کے منصوبے کی تازہ ترین صورتِ حال پر مبنی تھی۔ صوبائی محکمہ داخلہ کے مطابق اس ضمن میں پہلے ہی تسلی بخش کام کیا جا چکا ہے۔

محکمہ داخلہ کو پیرول/ پروبیشن کے نظام کے ذریعے جیلوں میں گنجائش سے زائد قیدیوں کے مسئلے سے نمٹنے اور پہلی بار جرم کا ارتکاب کرنے والوں اور نابالغ قیدیوں کی اصلاح کے لیے تجاویز پیش کرنے کی ہدایت کی جا چکی ہے۔

صوبائی محکمہ ہائے جیل خانہ جات نے قیدیوں کے ریکارڈ کمپیوٹرائزڈ کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ انہیں اپنے دائرہ اختیار میں آنے والی تمام جیلوں میں اِس نظام پر تیزی سے عمل درآمد کے ساتھ ساتھ پولیس، جیلوں اور نیشنل ڈیٹا بیس رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) کے مابین رابطہ سازی کی ہدایت کی گئی ہے، تاکہ قیدیوں کے ریکارڈ اور ان کے مقدمات پر عدالتی کارروائی کی نگرانی اور تصدیق کی جا سکے۔ ان محکموں کو ان احکامات پر عملدرآمد میں پیش رفت کی رپورٹ جمع کرانے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

وفاقی محتسب، صوبائی محتسب اور ضلعی نگران کمیٹیاں اپنی پیش کردہ سفارشات پر عمل درآمد کے عمل کی نگرانی کریں گی، اِن سفارشات میں مفقود سہولیات کی فراہمی، مختلف درجوں کے قیدیوں کی علیحدگی، مفت قانونی تعلیم، پیرول پر رہائی اور پروبیشن کے نظام کی بہتری، امداد، قیدیوں کے ریکارڈ کی کمپیوٹرائزیشن اور عمومی اور تکنیکی مہارتیں سکھانے کے منصوبے شامل ہیں۔

دسمبر 2018 میں وفاقی محتسب کے سیکریٹریٹ نے سپریم کورٹ کو ایک رپورٹ جمع کروائی۔ رپورٹ کے

پی ایم آئی ایس نے انگلیوں کے نشانات کے ذریعے خودکار شناخت کا نظام بروئے کار لاتے ہوئے آن لائن ڈیٹا بیس بنایا ہے

مطابق تمام صوبوں کے محکمہ جیل خانہ جات نے جیلوں، عدالتوں اور نادرا کے مابین مشترکہ انٹرفیس تیار کرنے کے نظام کا آغاز کر دیا ہے تاکہ قیدیوں کے ریکارڈ کی تصدیق اور نگرانی کی جا سکے۔ رپورٹ کے مندرجات کے مطابق سیکریٹریٹ نے قیدیوں کی بہبود کے لیے کام شروع کر دیا ہے جس میں ایسے قیدیوں کے ذمے واجب الادا جرمانوں کی ادائیگی بھی شامل ہے جو اپنی سزا کاٹ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے قیدیوں کو نفسیاتی مشاورت، تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت بھی فراہم کی جائے گی تاکہ انہیں رہائی کے بعد معاشرے کا فعال حصہ بننے میں مدد دی جا سکے۔

ہری پور، کوئٹہ، مچھ، لاہور اور کراچی کی سنٹرل جیلوں اور بورسٹل انسٹیٹیوٹ اینڈ جووینائل جیل فیصل آباد میں قید عورتوں، نابالغوں اور ایسے قیدیوں جن کے مقدمات زیرِ سماعت ہیں کے مسائل حل کرنے کے لئے بین الاقوامی تنظیموں کے اشتراک سے ایک عملی منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔ اِس منصوبے کا مقصد قیدیوں کو قانونی معاونت، اصلاحی نفسیاتی سہولیات کی فراہمی اور اُن کے طبی معائنے کی سہولیات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ تعمیراتی ڈھانچے، فرنیچر اور روزمرہ استعمال کی دیگر سہولیات اور جیل عملے کی تربیت میں بہتری لانا تھا۔

کمیشن برائے اعلیٰ تعلیم پاکستان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جامعات کے ساتھ مِل کر قیدیوں کے لئے رسمی تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کا ایک جامع منصوبہ جمع کرائے، صوبائی حکومتیں جیلوں میں پیشہ ورانہ اور فنی تربیت کے لئے اِن جامعات سے رابطہ کریں گی۔

اخباری اطلاعات کے مطابق، پنجاب کی متعدد جیلوں میں قید 400 قیدیوں نے رواں سال بی اے کا امتحان پاس کیا۔

سفارشات

☆ 2015 میں سینٹ میں منظور ہونے والے بل برائے تشدد، زیرِ حراست موت اور زیرِ حراست جنسی زیادتی (بچاؤ اور سزا) کو دربارہ زیرِ غور لایا جائے جو منظور نہ ہونے کے باعث سرد خانے کی نذر ہو گیا ہے۔

☆ ایذا رسانی کے خلاف اقوامِ متحدہ کے میثاق کا اطلاق کیا جائے جس پر پاکستان دستخط کر چکا ہے۔ اس کنونشن کے اختیاری پروٹوکول کی توثیق کی جائے اور اس کے مطابق ایذا رسانی کو جرم قرار دیتے ہوئے، ایذا رسانی سے بچاؤ کا قومی نظام وضع کیا جائے۔

☆ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو تربیت، وسائل اور تفتیش کے موجودہ فرسودہ طریق کار کی جگہ جدید سائنسی طریقہ کار اختیار کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تعاون فراہم کیا جائے۔

☆ ایکشن (سول انتظامیہ کی مدد کے لیے) ریگولیشن 2011 اور ایسے دیگر ملکی قوانین کو منسوخ کیا جائے جو طویل اور جرم سے روکنے کے لیے حراست میں لینے سے متعلق ہیں۔

☆ 2017 کے عالمگیر سلسلہ وار جائزے میں ایذا رسانی کے خاتمے سے متعلق سفارشات پر عمل کیا جائے۔

قانون کا نفاذ

جبری گمشدگیاں

کسی بھی شخص کو جسے گرفتار کیا جاتا ہے' گرفتاری کی وجوہات بتائے بغیر حراست میں نہیں رکھا جائے گا۔ اسے اپنی مرضی کے وکیل سے مشورہ کرنے اور قانونی تحفظ حاصل کرنے کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ ہر وہ شخص جسے گرفتار کرنے کے بعد حراست میں رکھا گیا ہے، گرفتاری کے 24 گھنٹے کے اندر مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا جائے گا۔

آئین پاکستان
[آرٹیکل 10(1)-اور(2)]

کسی شخص کو بے جا گرفتاری، حراست یا جلاوطنی کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

[آرٹیکل-8]

اس معاہدے کے اغراض ومقاصد کے لیے، 'جبری گمشدگی' سے مراد ریاستی اہلکاروں یا ریاست کی اجازت، معاونت یا رضامندی سے افراد یا افراد کے گروہوں کی جانب سے کسی فرد کی گرفتاری، حراست، اغواء یا آزادی سے محرومی کی کوئی بھی شکل ہے جس کے بعد اس شخص کی آزادی سے محرومی کے وقوعے سے انکار کیا جائے یا گمشدہ فرد کی حالت زار یا اتہ پتہ کو چھپایا جائے جس سے وہ فرد قانونی تحفظ کے دائرہ کار سے محروم ہو جائے۔

تمام افراد کو جبری گمشدگی سے تحفظ فراہم کرنے کا عالمی معاہدہ
(آرٹیکل۔2)

جبری گمشدگیوں کا دردناک سلسلہ 2018 میں بغیر کسی روک ٹوک کے جاری رہا۔ سیاسی کارکن، طالبعلم، انسانی حقوق کے دفاع کار، وکیل، صحافی، مذہبی تنظیموں کے لوگ اور کئی لسانی اقلیتیں حالیہ برسوں میں جبری گمشدگی کا نشانہ بنی ہیں۔ اب تک کسی کو بھی جوابدہ نہیں ٹھہرایا گیا۔ پولیس لاپتہ افراد کے ایسے واقعات کی تحقیقات کرنے کی اہل نہیں ہے جن میں فوج یا انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اہلکار ملوث ہوں۔ چاہے اس کی وجہ تربیت کا فقدان ہو یا اختیارات کی کمی۔

متاثرین جب بازیاب ہو جاتے ہیں تو ان کے بیانات نہیں لیے جاتے۔ جب معلوم ہوتا ہے کہ لاپتہ افراد جیلوں یا حراستی مراکز میں ہیں تو ان کی حراست کی وجوہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ تاہم، عدالت عظمیٰ نے کئی مواقع پر ایسا کرنے کی ہدایت کی ہے۔ سوشل میڈیا کارکن رضا محمود جو لاپتہ تھے، جولائی 2018 میں اپنے گھر واپس لوٹے تو اطلاعات کے مطابق انہیں ''سلامتی کے خدشات'' کے باعث بیان دینے سے منع کیا گیا۔ انکوائری کمیشن

برائے جبری گمشدگان (سی او آئی او ای ڈی) کا کہنا ہے کہ کئی لاپتہ افراد جن کا سراغ لگا لیا گیا ہے نے 'واضح وجوہ کے باعث' خود پر بیتے جانے والے حالات کے بارے میں کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا تھا۔

متاثرین کے پاس اپنی شکایات سنوانے کے لیے احتجاج کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ پرامن اجتماعات کو اکثر اوقات طاقت کے استعمال سے منتشر کیا گیا۔ خاندان کے لیے روزی کمانے والے فرد کی جبری گمشدگی کی صورت میں متعلقہ خاندان کو مالی مشکلات پیش آئیں جس نے ان کے دکھ کو اور زیادہ بڑھا دیا۔

عدالتی مداخلتیں

مارچ میں ایک آئی ٹی ماہر جنہیں اسلام آباد میں ان کے گھر سے اٹھایا گیا تھا، کی بازیابی کی پٹیشن سننے کے بعد، اسلام آباد ہائی کورٹ (آئی ایچ سی) نے اعلیٰ سطح کے کئی افسران پر جرمانہ عائد کیا اور اٹھائے گئے افراد کے خاندان کو 117,000 روپے فی ماہ ادا کرنے کا حکم صادر کیا۔ اس عدالتی آرڈر نے یہ عندیہ دیا کہ جبری گمشدگیوں میں ملوث اہلکاروں کے خلاف فوجداری کارروائی ہو سکتی ہے۔

نومبر میں، اسلام آباد ہائی کورٹ نے ایک لاپتہ فرد عبداللہ عمر کا سراغ لگانے میں ناکامی پر سیکرٹری دفاع، سیکرٹری داخلہ اور انسپکٹر جنرل اسلام آباد پولیس پر 20 لاکھ جرمانہ عائد کیا اور ان کی نصف تنخواہ منجمد کر دی، نیز مشترکہ تحقیقاتی ٹیم (جے آئی ٹی) کی سرزنش کی۔ عدالت نے عمر کی بازیابی کے لیے چھ ماہ کی مہلت دی اور کہا کہ جی آئی ٹی کے اراکین انہیں بازیاب کرنے میں ناکام رہے تو پھر وہ اپنی ملازمتوں سے برطرف ہو سکتے ہیں۔ پٹیشن کے مطابق عمر مئی 2013ء میں راولپنڈی میں فائرنگ کے ایک واقعے میں زخمی ہونے کے باعث اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم ہو گئے تھے۔ انہیں ہسپتال داخل کروایا گیا اور پھر جون 2013 میں حراست میں لیا گیا۔ وہ 2015 تک حراست میں رہے۔ پھر اسلام آباد کی انسداد دہشت گردی عدالت نے انہیں ضمانت پر رہا کیا۔ بعدازاں جون 2015 میں انہیں مبینہ طور پر ایجنسی کے اہلکاروں نے اغواء کر لیا۔

عدالت کے ان دونوں فیصلوں کے خلاف اپیل کی گئی مگر ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدالتیں اس بات پر نالاں ہیں کہ انتظامی شعبے کے حکام جبری گمشدہ افراد کو انصاف پہنچانے کی عدالتی کوششوں کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں۔

انکوائری کمیشن برائے جبری گمشدگان

وزارت داخلہ کے نوٹیفکیشن کے ذریعے قائم ہونے والے کمیشن کو اپنی ذمہ داریاں مؤثر طور پر انجام دینے کے لیے نہ تو ضروری اختیارات دیے گئے اور نہ ہی اس کے پاس مناسب مالیاتی وسائل اور افرادی قوت ہے۔ نتیجتاً لاپتہ افراد کو بازیاب کروانے کی کمیشن کی کوششوں کو فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کی مدد نہیں مل پاتی۔

انکوائری کمیشن برائے جبری گمشدگان (سی او آئی او ای ڈی) کے چیئرمین نے اگست 2018 میں کہا تھا کہ لاپتہ افراد کے معاملے پر ''ہمیشہ سے سیاست ہو رہی ہے'' اور یہ کہ ''صورتحال اتنی بری نہیں ہے جتنی بتائی جا رہی

اطلاعات کے مطابق بلوچستان سے ابھی بھی 5,000 افراد لاپتہ ہیں

ہے''۔ انہوں نے مزید کہا، ''بلوچستان میں صرف 131 لاپتہ افراد کے مقدمات کی سماعت ہورہی ہے'' اور یہ کہ کئی واقعات میں کمیشن کو پتہ چلا کہ لوگوں کو ذاتی دشمنی کی بناء پر ان کے حریف قبائل نے اٹھالیا تھا۔

کمیشن کے مطابق، 2011 میں اس کے قیام سے لے کر اب تک اسے 5,706 شکایات موصول ہوئی ہیں اور کمیشن نے 3,600 شکایات نبٹائی ہیں۔ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ شکایات کا انبار ابھی بھی موجود ہے۔ اگست میں تقریباً 822,1 شکایات تھیں۔ نومبر کے اختتام پر یہ تعداد 116,2 تھی۔ دسمبر کے اختتام پر، 2,000 سے زائد شکایات موجود تھیں۔

جنوری سے جولائی 2018 کے دوران، کمیشن کو 668 شکایات موصول ہوئیں۔ اگست میں 59، ستمبر میں 74، اکتوبر میں 84، اور نومبر میں 101 شکایات موصول ہوئیں۔ شکایات میں مسلسل اضافے کی رفتار کے مقابلے میں کمیشن کے کام کی رفتار بہت سست تھی۔

سرکاری رپورٹس میں کمیشن کی کامیابیوں کا ذکر تھا اور لاپتہ افراد کے رشتہ داروں کی طرف سے کمیشن کی شاندار کاوشوں کا اعتراف تھا۔ ایچ آر سی پی ہمیشہ سے کمیشن کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کررہا ہے اور اس نے جبری گمشدگان پر اقدام متحدہ کے اس مطالبے کی حمایت کی ہے کہ کمیشن کو انسانی و مالیاتی وسائل کے اعتبار سے مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔ نہ ہی کمیشن کے کام سے دفاع برائے انسانی حقوق (ڈی ایچ آر) کی چیئرمین خوش تھیں جنہوں نے اس کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ کمیشن نے تحقیقات کیں اور جب انٹیلی جنس ایجنسیوں نے کمیشن کو مطلع کیا کہ جس لاپتہ فرد کے حوالے سے تحقیقات ہورہی ہے وہ ان کی تحویل میں ہے تو کمیشن نے کہا کہ معاملہ نبٹ گیا ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ جن شکایات کو نبٹایا گیا ان میں زیادہ تر لوگ مرچکے تھے یا زیر حراست تھے اور بہت کم لوگ رہا ہوئے تھے۔

ستمبر میں چیف جسٹس نے جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن کی جانب سے عدالت میں لاپتہ افراد سے متعلق جمع کرائی گئی رپورٹ کا جائزہ لینے کے لیے ایک دورکنی خصوصی بینچ تشکیل دیا تاکہ لاپتہ 'افراد کے طویل عرصے سے زیرالتوا مقدمات کی تحقیقات کی نگرانی کی جاسکے، کمیشن کی کارروائیوں کی جانچ کی جاسکے، اور کمیشن کی جانب سے جاری کیے گئے پروڈکشن آرڈرز پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جاسکے۔ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا کہ اسے سال کے دوران 5,349 کیسز موصول ہوئے جن میں سے 3,519 مقدمات نمٹائے جاچکے تھے، اور کمیشن بقیہ 1,830 کیسز پر کام کررہا تھا۔

16 اکتوبر 2018ء کو کمیشن نے خصوصی بینچ کو ماہانہ پیش رفت رپورٹ جمع کرائی جس میں اس نے کہا کہ ستمبر 2018ء میں 36 'لاپتہ' افراد کا سراغ لگایا گیا۔ ان میں سے 14 افراد شدت پسندوں کے لیے قائم کیے گئے مختلف حراستی مراکز میں قید تھے۔ کمیشن نے نومبر میں موصول ہونے والے 84 کیسز میں سے 78 کو حل کرنے کا دعویٰ کیا۔

جن افراد کا سراغ لگایا گیا	70
اپنے گھروں کو واپس لوٹنے والے	22
حراستی مراکز/جیلوں میں قید	02
جبری گمشدگی کا کیس نہ ہونے/نامکمل پتے کی بناء پر خارج کیے گئے مقدمات	08

نقصان کا تخمینہ

جبری گمشدگیوں کے واقعات کی اطلاعات بڑی تعداد میں موصول ہوتی رہیں اور بہت سے واقعات یا تو تلافی کے طریقہ کار کی غیر موجودگی کے باعث یا اس وجہ سے رپورٹ نہیں ہوتے کہ احتجاج یا مظاہرے لاپتہ افراد کی زندگیوں کو خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔ ایچ آر سی پی نے ایک بیان میں کہا کہ؛ جبری گمشدہ افراد کے متعلق مستند اعداد و شمار کی کمی، سرکاری اعداد و شمار اور فیلڈ سے موصول ہونے والی اطلاعات میں فرق سے اس امر کی واضح نشاندہی ہوتی ہے کہ ریاست اس معاملے کو مزید پس پشت ڈالنے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

نومبر میں، بی این پی - مینگل کے سربراہ سردار اختر مینگل نے اس چیز پر شکوک و شبہات کا اظہار کیا کہ پاکستان میں صورتحال بہتر ہوگی کیونکہ بلوچستان سے نوخواتین سمیت 235 افراد کو لاپتہ کیا جاچکا تھا۔ 25 جولائی سے 30 اکتوبر 2018ء کے دوران خاندانوں نے 45 نعشیں وصول کیں اور اطلاعات کے مطابق بلوچستان میں 5,000 افراد اب بھی لاپتہ ہیں۔ ان کے مطابق، جب خاندان کے کسی فرد کو لاپتہ کردیا جاتا ہے تو لوگ ایف آئی آر درج کرانے سے گھبراتے ہیں کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو انہیں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے دھمکیاں ملتی ہیں۔ سردار اختر نے دعویٰ کیا کہ انسانی حقوق کے کارکن، قوم پرست اور ایسے لوگ جو جبری گمشدگی کے مسئلے کو سوشل میڈیا پر اجاگر کرتے ہیں انہیں بھی انٹیلی جنس ایجنسیاں اٹھا کر لے جاتی ہیں۔

بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن اور ہیومن رائٹس کونسل آف بلوچستان نے اپنی ششماہی رپورٹ

'بلوچستان میں انسانی حقوق کی صورتحال' میں کہا کہ انہیں سال کے پہلے چھ ماہ کے دوران جبری گمشدگیوں کی 541 'جزوی اطلاعات' موصول ہوئیں۔ زیادہ تر واقعات میں 'سکیورٹی فورسز نے لوگوں کو ان کے گھروں سے پورے خاندانوں اور اردگرد کے لوگوں کے سامنے اٹھایا'۔

مارچ میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے کہا کہ اقوام متحدہ کے جبری گمشدگیوں سے متعلق ورکنگ گروپ کے پاس پاکستان سے متعلق 700 کیسز زیرالتوا تھے۔

احتجاج اور ایذا رسانی

31 مارچ کو لاہور پریس کلب کے باہر ایک احتجاجی کیمپ لگایا گیا جس میں 2010ء کے عدالتی کمیشن کی رپورٹ جاری کرنے اور جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

اپریل میں کوئٹہ پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے لاپتہ ساغر بلوچ کی بہن حمیدہ بلوچ نے حکومتِ پاکستان، عدالت عظمیٰ، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، اور سول سوسائٹی سے اپیل کی کہ وہ اس کے بھائی ساغر، جو یونیورسٹی آف کراچی میں بی ایس سیاسیات کا طالب علم تھا اور 20 نومبر 2017ء کو لاپتہ ہوا تھا، کی بازیابی کے لیے آواز اٹھائیں۔

لاپتہ سندھی کارکنوں کے خاندانوں نے کراچی میں 20 سے 22 مئی تک 72 گھنٹے کی بھوک ہڑتال کی جس کے دوران انہوں نے اپنے اغواء شدہ رشتے داروں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کراچی پریس کلب کے باہر احتجاجی کیمپ لگایا۔ کئی سیاسی جماعتوں اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے بھی ان کے احتجاج میں حصہ لیا۔ پولیس اور رینجرز نے کیمپ کو گھیرے میں لے لیا اور مظاہرین پر لاٹھی چارج کیا۔ مقامی پولیس کو مظاہرین کو مارتے ہوئے اور خواتین کے ساتھ غیر مہذب طریقے سے پیش آتے ہوئے دیکھا گیا۔

مئی میں، انسانی حقوق کی تنظیموں کے کارکنوں، سول سوسائٹی کے اراکین، اور قوم پرست جماعتوں نے سندھ میں 146 جبری گمشدگیوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ریلیاں نکالیں اور حیدرآباد پریس کلب کے باہر 72 گھنٹے تک بھوک ہڑتال کی۔ انہوں نے کراچی پریس کلب کے باہر پرامن مظاہرین اور لاپتہ افراد کے خاندانوں پر حملے میں ملوث قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کی گرفتاری اور انہیں مثالی سزائیں دینے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے اسلام آباد پریس کلب کے باہر قائداعظم یونیورسٹی کی مہران کونسل کے اراکین پر حملے میں ملوث پولیس اہلکاروں کی گرفتاری کا بھی مطالبہ کیا۔

اگست میں، یونیورسٹی کے طالب علموں نے سکیورٹی ایجنسیوں کے ہاتھوں بڑھتی ہوئی جبری گمشدگیوں کے خلاف لاہور میں ایچ آر سی پی کی جانب سے منعقد کیے گئے احتجاجی مظاہرے میں حصہ لیا۔ ایچ آر سی پی کا دعویٰ ہے کہ اسے اغواء کی 3,300 شکایات موصول ہوئیں۔ ان میں سے زیادہ تر شکایات ملک کے ان علاقوں سے موصول ہوئیں جہاں سکیورٹی فورسز کی ایک بہت بڑی تعداد تعینات ہے۔ جبری گمشدگیوں کے متاثرین کے عالمی دن کے موقع پر جاری کیے گئے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے اس بات پر زور دیا کہ جبری گمشدگی آزادی، سلامتی اور زندگی کے حق کے منافی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جبری گمشدہ فرد کو ایذا رسانی یا غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک کا نشانہ نہ بنائے

جانے کے حق کی کوئی ضمانت نہیں ملتی اور اس کے باعث شفاف ٹرائل یا مؤثر تلافی کا حق اس فرد کی پہنچ سے مکمل طور پر باہر ہو جاتا ہے۔ متاثرین کے خاندانوں اور دوستوں اور عوام کو جبری گمشدگی کے حالات وواقعات کی حقیقت جاننے کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔

19 نومبر کو، بلوچستان میں جبری گمشدگیوں کے خلاف صوبے بھر میں بڑی بڑی ریلیاں نکالی گئیں۔ شروع میں متاثرہ خاندانوں نے کوئٹہ پریس کلب کے باہر کیمپ لگایا تاہم بعدازاں انہیں وہاں سے اٹھا دیا گیا اور انہوں نے وزیراعلیٰ کے گھر کے باہر اپنا دھرنا جاری رکھا۔ انہوں نے حکومت سے ایسے واقعات میں معینہ قانونی طریقہ کار اپنانے کا مطالبہ کیا۔ ایچ آر سی پی نے خاندانوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ خواتین، بچوں اور بزرگوں کی ایک بڑی تعداد کو صرف یہ کہنے کے لیے سردی میں کھلی ہوا میں کیمپ لگانا پڑا کہ ان کی بات کو سنا جائے اور ان کے آئینی حقوق کا احترام کیا جائے۔ بعدازاں حکومت نے خاندانوں کو یقین دہانی کرائی کہ ان کے مطالبات کو سنا جائے گا۔

دسمبر میں اطلاعات کے مطابق، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے طالب علموں نے اپنے ایک ہم جماعت کی جبری گمشدگی کے خلاف احتجاج کیا۔ جیاند بلوچ، ان کے والد اور 13 سالہ بھائی کو مبینہ طور پر سکیورٹی فورسز کے اہلکار 30 مئی کو کوئٹہ میں ان کی رہائش گاہ سے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

ہوسکتا ہے مطالبات کو سنا جاتا ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان کو پورا بھی کیا جائے گا۔ اپنے آخری عالمی سلسلہ وار جائزے کے دوران، پاکستان نے 'ضابطہ تعزیرات میں جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینے اور جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن کو مستحکم کرنے' کی سفارش کی حمایت کی تاکہ 'کمیشن اپنے مشن کو مکمل طور پر انجام دے سکے'۔ محض ضابطہ تعزیرات میں جبری گمشدگیوں کو شامل کرنا کافی نہیں۔ جب تک حکومت ایک ایسا آئینی کمیشن یا ٹربیونل تشکیل نہیں دیتی جو سپریم کورٹ کو جوابدہ ہو اور بیرونی مداخلت سے آزاد ہو، اس جرم کے خاتمے اور متاثرین اور ان کے خاندانوں کی دادرسی کا عمل التواء کا شکار رہے گا اور لاپتہ افراد کے مقدمات میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

جبری گمشدگیوں کے موضوع سے متعلق ایک حکومتی بل 2014ء سے پارلیمنٹ میں زیرالتواء ہے۔ یہ بل جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دیتا ہے اور تجویز کرتا ہے کہ جبری گمشدگیوں کے متاثرین کا سراغ لگانے کے لیے ٹربیونل تشکیل دیئے جائیں اور یہ ٹربیونل جبری گمشدگیوں کے مقدمات کو ٹرائل کے لیے سیشن عدالتوں کو بھیجیں۔ لیکن نئی حکومت نے عندیہ دیا کہ یہ ایک نیا بل وضع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

سفارشات

☆ تمام افراد کو جبری یا غیر رضاکارانہ گمشدگیوں سے تحفظ فراہم کرنے کے عالمی معاہدے کی توثیق کی جائے۔

☆ جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن کی جگہ ایک آئینی کمیشن قائم کیا جائے جو عدالت عظمیٰ کو جوابدہ ہو۔

☆ ایکشن اِن ایڈ آف سول پاور ریگولیشن کے تحت حراستی مراکز بحال رکھنے کے جواز پر نظرثانی کی جائے۔